



اسلامی بینکاری کی حقیقت



حافظ ذوالفقار علی

www.KitaboSunnat.com

دار الدعوة السلفية لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ
محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

احل الله البيع و حرم الربو

اسلامی بینکاری کی حقیقت ؟

www.KitaboSunnat.com

حافظ ذوالفقار علی

ابو ہریرہ شریعہ کالج لاہور



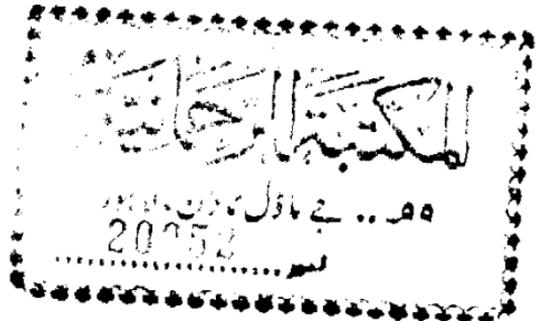
ناشر: دار الدعوة السلفیہ

259.2

ذول - ۱

طابع احمد شاکر
ناشر دار الدعوة السلفية، لاہور
طبع شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ

 اگست ۲۰۰۸ء



عرضِ ناشر

دارالدعوة السلفية کا چند سالوں سے معمول ہے کہ رمضان المبارک کی آمد پر احباب سے رابطہ کے وقت کوئی مفید کتابچہ ہدیہ کیا جاتا ہے۔

ملکی معیشت کے زاویہ سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بہتات اور خالص سودی نظام کو اسلامی بینکاری کا نام دینا سابقہ روشن خیال حکومت کے ایسے اعمال سیرہ ہیں جس نے ملکی معیشت کا ستیا ناس کر دیا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ خالص سودی نظام کو اسلام کو ٹنڈ کرنے کی ”خدمت“ میں حلقہ علماء کے بعض دینی و علمی خانوادوں کے چشم و چراغ اور صاحبزادگان کا عمل دخل نمایاں ہے۔ وہ خاندان اور ان کے فیض یافتگان کہیں بینکوں کی مجالس شرعیہ کی سرپرستی کرتے ہیں اور کہیں ان کے فقہی بورڈوں کی۔ ان حضرات کا کسی علمی مجلس میں اگر اہل علم سے واسطہ پڑ جائے یا ٹاٹا کرا ہو جائے تو پھر یہ چون کہ چناں چہ کر کے جان چھڑاتے ہیں یا پھر باب الخلیل کا سہارا لے کر وقت نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہمارے فاضل دوست حافظ ذوالفقار رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع کا خصوصی مطالعہ کیا ہے اور اس موضوع پر عصر حاضر کا بہت ساعلمی مواد اکٹھا کر رکھا ہے۔

وہ بڑی محبت سے اپنے تازہ علمی مقالات و مضامین ہفت روزہ الاعتصام کو ارسال کرتے رہتے ہیں جنہیں ہم بصد شوق قارئین تک..... چاہے قسط وار..... پہنچاتے رہتے ہیں۔

اس رمضان المبارک میں خیال ہوا کہ قارئین الاعتصام اور محبین دارالدعوة السلفية کی خدمت میں محترم حافظ صاحب کی اس موضوع کی چند اہم نگارشات پیش کریں تاکہ ہر مسلمان اس فتنہ سے باخبر ہو کر محفوظ رہے۔

ہم شکر گزار ہیں کہ حافظ صاحب موصوف نے نے ان مضامین کو کتابچے کی شکل میں دارالدعوة السلفیہ کو طباعت و اشاعت کی اجازت دے دی۔ جزا، ہم اللہ عنا و عن جمع المسلمین دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتابچے کو علمۃ الناس کے لیے نفع کا باعث بنائے۔ نیز اس کے اجر میں حافظ صاحب کے ساتھ ساتھ دارالدعوة السلفیہ کے بانی اور اس ادارے کے اراکین کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔

راقم آختم

احمد شاکر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقصدِ تحریر

اس میں ذرہ بھر شبہ نہیں کہ دینی حلقوں کی ہمیشہ یہ خواہش اور مطالبہ رہا ہے کہ بینکاری معاملات کو شرعی احکام کے مطابق ڈھالا جائے لیکن اسلام کے نام پر جس قسم کی بینکاری متعارف کروائی جا رہی ہے یہ علماء دین کا کبھی مطالبہ نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ چند علماء کو چھوڑ کر باقی علماء موجودہ اسلامی بینکاری سسٹم کو مسترد کر چکے ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ جو حضرات اسلامی بینکوں سے پرکشش معاوضے اور مراعات لیتے ہیں وہ بھی اس کو مثالی قرار دینے کی جرأت کرنا تو درکنار اس پر اطمینان کا اظہار بھی نہیں کرتے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جب نجی گفتگو میں ان حضرات کے سامنے مروجہ اسلامی بینکاری میں پائی جانے والی خامیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے تو ان کا جواب ہوتا ہے ”اگر ایسا ہے تو یہ جائز نہیں“ یہاں تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں مگر جب اسلامی بینکوں کے استثناء کا جواب دیا جاتا ہے تو ان خامیوں کا ذکر کیے بغیر بینکوں کے حق میں مبر تصدیق ثبت کر دی جاتی ہے۔ ان حضرات کا یہ رویہ دین سے محبت رکھنے والوں میں تشویش اور اسلامی بینکاری کے بارہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا باعث بننے کے ساتھ سودی نظام کے لیے تقویت کا سبب بن رہا ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ رائج الوقت اسلامی بینکاری کا بے لاگ تجزیہ کر کے دیکھا جائے کہ یہ شرعی اصول سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟ چنانچہ ہم نے ان صفحات میں موجودہ اسلامی بینکوں کے طریقہ کار اور ان میں رائج مالی معاملات کا شرعی اصول کی روشنی میں منصفانہ جائزہ لے کر دینی نقطہ نظر واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس تحقیق سے ہمارا مقصد صرف اسلام کے نام پر ہونے والی موجودہ بینکاری کی حقیقت واضح کرنا ہے نہ کہ دو رجید میں اسلامی احکام کے قابل عمل ہونے کی نفی کرنا۔ اگر کوئی ایسا ادارہ قائم کیا جاتا ہے خواہ اس کا نام بینک ہی ہو جو شرعی ضوابط کا پابند رہے کہ لوگوں کو سرمایہ کاری اور فنانسنگ کی سہولت فراہم کرے تو بلاشبہ یہ بڑا اہم اور مستحسن اقدام ہوگا۔

حافظ ذوالفقار علی ابو ہریرہ چتر پور کالج کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

گزشتہ چند سالوں کے دوران اسلامی بینک کاری نے غیر معمولی ترقی کی ہے اس وقت دنیا کے تقریباً ۵۷ ممالک میں اسلامی بینک کام کر رہے ہیں ان میں بعض غیر مسلم ممالک بھی شامل ہیں۔ صرف پاکستان میں مختلف بینکوں کی تین سو سے زائد برانچوں میں اسلامی بینکاری کے نام پر کام ہو رہا ہے۔ ان میں سے بعض بینک تو مکمل طور پر اسلامی بینک کہلاتے ہیں جیسے میزان بینک، البرکہ بینک، بینک اسلامی پاکستان اور دہی اسلامی بینک وغیرہ۔ جبکہ بعض بنیادی طور پر سودی ہیں مگر ان میں اسلامی بینکاری کا شعبہ بھی قائم ہے اسلامی بینکاری کے حامی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ نظام نہ صرف کامیابی سے چل رہا ہے بلکہ تیز رفتاری سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ اور سرمایہ کاروں کی بڑی تعداد اس جانب راغب ہو رہی ہے۔ عام لوگوں کا اعتماد بھی بڑھ رہا ہے۔ جبکہ دوسری طرف علوم دینیہ کے ماہر علماء کی غالب اکثریت کے نزدیک یہ ایک مشکوک معاملہ ہے۔ بلکہ بعض حضرات تو اسکو اسلام کے نام پر دھوکہ اور فراڈ قرار دیتے ہیں ان کی رائے میں یہ اصل میں سراسر سودی نظام ہے کیونکہ عملاً دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے سوائے اسکے کہ اسلامی بینک شرعی اصطلاحات مراہجہ، اجارہ اور مشارکہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلامی بینکاری ایک سازش ہے جس کا مقصد ان لوگوں کی دولت سے فائدہ اٹھانا ہے جو سود سے نفرت کرتے ہیں اور وہ اپنے اس عقیدہ کی بنیاد پر روایتی بینکوں کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اسلامی بینکوں پر تنقید کا سبب:

ہمارے خیال میں اسلامی بینکنگ پر ہونے والی اس تنقید کے پیچھے یہ سوچ ہرگز نہیں ہے کہ ہماری معیشت کے لیے سودی نظام ناگزیر ہے یا اس جدید دور میں شرعی احکام قابل عمل نہیں رہے۔ نعوذ باللہ من ذلك بلکہ یہ مشکوک و شبہات خود اسلامی بینک کاری کی عملی تطبیق کے پیدا کردہ ہیں۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

① اسلامی بینکوں میں رائج معاملات جیسے اجارہ، مشارکہ متناقصہ وغیرہ سے بینک کی اصل غرض لوگوں کی مالی ضرورتیں پوری کر کے فائدہ اٹھانا ہے۔ حقیقی اجارہ یا شراکت کا ارادہ نہیں ہوتا۔ جہاں اجارہ اور شراکت کے نام پر صرف تمویل کے ذریعے فائدہ حاصل کرنا مقصود ہو وہ معاملہ جائز نہیں ہوتا کیونکہ معاملات میں مقصد کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کو چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ، وَإِنَّمَا لِلكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى))

”اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر شخص کے لیے وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی۔“

[صحیح بخاری: باب کیف كان بدء الوحي]

قانونِ اسلامی کا معروف قاعدہ ہے

((العبرة في العقود للمقاصد والمعاني لا للالفاظ))

”عقود میں مقاصد اور معانی کا خیال رکھا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کا“

عظیم محدث امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فعللم ان الاعتبار في العقود والافعال بحقائقها ومقاصدها دون ظواهر

الفاظها وفعالها)) [اعلام الموقعين: ج ۳ ص ۲۸۰]

”معلوم ہوا کہ عقود اور افعال میں اصل اعتبار ان کے حقائق اور مقاصد کا ہے۔ ظاہری الفاظ

اور افعال کا نہیں۔“

اسلامی بینکاری کے معروف سکا لڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

((لو ان هذين الاثنين اللذين اشتركا في ملكية العقار اتفقا منذ الاشتراك

في العقار على ان يسددا احدهما اقساطا محددة، يصبح مالكا بعدها للعقار

كله، سواء كان خلال المدة مستاجرا الحصة شريكه او غير مستاجر لها،

فان هذا بنظري غير جائز. وكذلك لو اتفقا قبل الدخول في شركة

العقار ان يبيع احدهما للاخر حصته ببيع تقسيط فهذا غير جائز لان بيع

التقسيم غير جائز بل لانه شاركة على ان يبيعه فعرف ان المراد ليس هو

الشركة ولا البيع ولا الايجار انما المراد هو التمويل، ودخول البيع والا

يجار عليه انما الغرض هو الوصول الى فائدة من وراء هذا التمويل.))

”اگر یہ دونوں جو ریل پر اپنی کی ملکیت میں شراکت دار ہیں شروع ہی سے اس بات پر

اتفاق کر لیں کہ ان میں سے ایک متعینہ اقساط ادا کر کے مکمل پر اپنی کا مالک بن جائے گا خواہ

دوران مدت شریک کے حصے کا کر ایہ ادا کرے یا نہ، تو میری نظر میں یہ معاملہ جائز نہیں۔ اسی

طرح اگر یہ دونوں ریل پر اپنی کی شراکت میں داخل ہونے سے پہلے اس پر متفق ہو جائیں

کہ ان میں سے ایک اپنا حصہ قسطوں میں دوسرے کو بیچ دے گا یہ بھی جائز نہیں اس لیے نہیں

کہ بیچ قسط جائز نہیں بلکہ اس لیے کہ اس نے اس شرط پر شراکت داری کی ہے کہ وہ اپنا حصہ

اسے فروخت کر دے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ شرکت، بیع اور اجارہ خصوصاً نہیں بلکہ مقصود تمویل ہے بیع اور اجارہ کو اس پر داخل کرنے کی غرض اس تمویل کے پردے میں قائمہ حاصل کرنا ہے“ [المصارف الاسلامیہ: ص ۴۱]

⑤ اسلامی بینک مراہجہ اور اجارہ وغیرہ کو جو اپنی اصل کے اعتبار سے طریقہ ہائے تمویل نہیں ہیں کو تمویلی سرگرمیوں کے لیے استعمال کرتے وقت اپنے نفع کا تعین شرح سود کے مطابق کرتے ہیں چنانچہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد اور اسلامی بینکاری کے سرگرم حامی جناب مولانا ڈاکٹر اعجاز احمد صدیقی لکھتے ہیں۔

”جو تھا مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اسلامی بینک عام طور پر مرہجہ بینکوں کے باہمی شرح سود کو معیار (Bench Mark) کے طور پر استعمال کر کے اپنے نفع یا کرایہ کا تعین کرتے ہیں جیسے پاکستان میں کابور Kibor (Karachi inter bank offered rate) سود کی وہ شرح جس پر کراچی کے بینک ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہیں۔) کو معیار بنایا جاتا ہے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ [اسلامی بینکاری، ایک حقیقت پسندانہ جائزہ: ص ۵۲]

مولانا موصوف نے اس کو جواز بخشنے کے لیے جو تاویل کی ہے اس پر وہ خود بھی مطمئن نہیں بھی وجہ ہے کہ ایک صفحہ بعد ہی ”تبادل کی تلاش بھی کرنی چاہیے“ کا عنوان باندھ دیا ہے۔ دوسری جگہ مراہجہ میں نفع کو کابور کے ساتھ مربوط کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”اس صورت میں اس اعتبار سے تو عقد درست ہو جاتا ہے کہ بیچی گئی چیز کی قیمت متعین ہو جاتی ہے لیکن اس اعتبار سے اس میں ناپسندیدگی کا عنصر شامل ہو جاتا ہے کہ اس میں ایک شرح سود کو بطور شیئ مارک استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے اسلامی بینکوں کو چاہیے کہ کوئی اسلامی شیئ مارک تشکیل دیں تاکہ اس ناپسندیدگی کے عنصر کا بھی خاتمہ ہو سکے“

[اسلامی بینکاری اور غرر: ص ۵۶]

صدیقی صاحب کے استاد گرامی مولانا منشی قتی عثمانی صاحب جو متحدہ اسلامی بینکوں کی شرعی رہنمائی کا فرض سرانجام دے رہے ہیں روزنامہ امت کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”مثالی نظام مشارکہ اور مضاربہ معاشی انصاف فراہم کر سکتا ہے وہ وقت ابھی دور ہے کیونکہ

مشارکہ اور مضاربتہ کا استعمال Assests سائڈ پر بہت کم ہوتا ہے اور استعمال کم ہوئے پھر ان کی بنیاد پر Investment کم ہے لہذا اس کی جگہ ثانوی نوعیت کی پراڈکٹ اجارہ، مرابحہ، Diminishing Musharaika وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ ان میں مشکل یہ ہے کہ Bench mark وہی رہتا ہے جو سودی نظام میں ہے۔ اس کے معانی یہ ہیں کہ آپ کو روپیہ ادھار دینے کی بجائے کتاب بیچ دی کہ چھ مہینے بعد دینا۔ کتاب بیچی لیکن نفع Fix کر دیا اور ایک مخصوص مدت بعد وصولی کے معاہدہ کر لیا۔ اس منافع کمانے کا بیٹھ مارک وہی ہے جو سودی نظام کا ہے اس لیے اسلامی نظام کے معاشرے پر جو اثرات ہونے چاہیے تھے وہ ابھی تک نہیں ہو رہے۔“

[روزنامہ امت: ۴ دسمبر ۲۰۰۵ء ص ۷۰۵]

حضرت مفتی صاحب بجا فرماتے ہیں کہ اجارہ، مرابحہ ثانوی نوعیت کے پراڈکٹ ہیں اور معاشرے پر ان کے وہ اثرات بھی مرتب نہیں ہو رہے جو اسلامی نظام کے ہونے چاہیں۔ تو کیا ہم یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ پھر اس کو وقت کی ضرورت قرار دے کر فتووں کے ذریعے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟

④ اسلامی بینکوں کا طریقہ کار بھی سودی بینکوں جیسا ہے مثلاً

☆ سودی بینک کھاتہ داروں کو متعین منافع دیتے ہیں جو سود کے زمرہ میں آتا ہے۔ اسلامی بینک بھی یہی تاثر دیتے ہیں ثبوت کے لیے دیکھئے روزنامہ نوائے وقت ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء صفحہ ۲ پر ایبیرٹس اسلامی بینک اور الفلاح اسلامی بینک کی طرف سے دیا گیا الگ الگ اشتہار۔ ایبیرٹس اسلامی بینک نے اپنے اشتہار میں 11.75 فیصد سالانہ منافع کا لالچ دیا ہے البتہ شارلگا کرا ایک جانب باریک سائیہ بھی لکھ دیا ہے:

”پانچ سالہ ڈیپازٹس پر گزشتہ ماہ کا اعلان کردہ منافع“

جبکہ الفلاح اسلامی بینک نے تین سالہ ٹرم ڈیپازٹ پر 10.1 فیصد ”حلال منافع“ دینے کا وعدہ کیا ہے اور شارلگا کرا باریک سائیہ لکھ دیا ہے:

”یہ مذکورہ منافع جون ۲۰۰۸ء میں دیا گیا آئندہ مختلف ہو سکتا ہے۔“

یہ شارنگ دراصل مخالفین کو چپ کروانے کے لیے ہے۔ ورنہ حقیقت میں سودی بینکوں کی طرح پہلے سے متعین منافع دیا جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ الفلاح اسلامی بینک نے ۲۶ جولائی

۲۰۰۸ء کو اپنے ڈیپازیشنرز کو جو لیزر جاری کیا ہے اس میں سٹار کے بغیر سیدھا سیدھا یہ لکھا ہے۔ ہمارے ہاں اکاؤنٹ کھلوا کر ہائی پرافٹ ریٹ حاصل کریں۔ اور مختلف ٹرم کے لیے مختلف طے شدہ ریٹ مقرر کیے گئے ہیں۔

☆ اگر آپ سودی بینک کے ساتھ لیزر پر گاڑی لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو بینک بکنگ کے لیے رقم جمع کروانے کی تاریخ سے ہی اپنا کرایہ وصول کرنا شروع کر دے گا خواہ آپ کو گاڑی تین ماہ بعد ملے۔ کیوں؟

اس لیے کہ سودی نظام کا تقاضا ہے کہ جو رقم بینک کے کھاتے سے نکل گئی ہے بینک کو اس کا سود وصول ہو۔ کلائنٹ کو گاڑی کب ملتی ہے بینک کو اس سے غرض نہیں۔ اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ میں بھی یہی ہوتا ہے مگر اس ترمیم کے ساتھ کہ اسلامی بینک ان تین ماہ کا کرایہ گاڑی ملنے کے بعد اس طرح وصول کرتا ہے کہ یا تو اس کو تمام اقساط میں ایڈجسٹ کر دیتا ہے یا پہلی قسط زیادہ رکھ کر یکمشت وصول کر لیا جاتا ہے۔ ثبوت کے لیے دیکھیے ماہر اسلامی بینکاری جناب محمد ایوب کی کتاب *Undre standing Islamic Finance* صفحہ ۲۹۶۔ اسلامی بینک ان تین ماہ کا کرایہ سودی طریقہ کار کے تحت ہی لیتا ہے۔

③ سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ کرتے ہیں جو کہ اسلامی بینک کے زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروایا جاتا ہے۔ یہاں بھی سودی فارمولہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ایک تو جرمانہ واجب الادا رقم کے تناسب سے عائد کیا جاتا ہے اور دوسرا تاخیر کی مدت بڑھنے کے ساتھ جرمانہ کی رقم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں تاخیر پر جرمانہ کا تصور موجود نہیں اور نہ ہی فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((لا یحل ذنب من الذنوب مال انسان وان قتل نفسا))

”مقتل سمیت کوئی گناہ انسان کے مال کو حلال نہیں کرتا۔“ [الطریق الحکمیة: ص ۲۴۷]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((انما العقوبة فی الابدان لا فی الاموال))

”سزا صرف جسمانی ہے نہ کہ مالی۔“

[سنن بیہقی باب ما یستدل بہ علی ترک تضعیف الغرامة: ص ۲۸۸]

فقہ حنبلی کی معروف کتاب المغنی میں ہے:

((والتعزیر یکون بالضرب والحبس والتویبیح ولا یجوز قطع شیء منه ولا جرحه ولا اخذ ماله لان الشرع لم یرد بشیء من ذلك عن احد یقتدی به))
 ”تعزیر مارنے، قید کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے ہوتی ہے اس کا کوئی حصہ کاٹنا یا اسے زخمی کرنا یا اس کا مال لینا جائز نہیں کیونکہ جن لوگوں کی اقتداء کی جاتی ہے ان کے حوالے سے شریعت میں اس طرح کی کوئی چیز بیان نہیں ہوئی۔“ [ج ۲۰ ص ۳۶۹]
 فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مالی جرم مانہ جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
 ((والحاصل ان المذهب عدم التعزیر بأخذ المال))

”خلاصہ کلام یہ ہے کہ حنفی مذہب کے مطابق مال بے کر تعزیری سزا جائز نہیں۔“

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق: فصل فی التعزیر ج ۱۳ ص ۱۶۸]

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں درمختار کے حوالے سے لکھا ہے:

((لا یأخذ المال فی المذهب))

”حنفی مذہب کے مطابق مالی جرم مانہ درست نہیں۔“

[فتاویٰ دارالعلوم: ج ۱۲ ص ۲۵۲]

نیز اسی صفحہ کے آخر میں ہے کہ جرم مانہ مالی شرعاً درست نہیں۔

اسلامی بینکوں کے بعض حامی جرم مانہ کے حق میں امام خطاب رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے

استدلال کرتے ہیں۔

((اما اذا التزم المدعی علیہ للمدعی انه ان لم یوفه حقه فی وقت کذا و کذا فله علیہ کذا و کذا فهذا لا یختلف فی بطلانه لانه صریح الربا.....الی قوله واما اذا التزم انه لم یوفه حقه فی وقت کذا فعلیہ کذا الفلان او صدقة للمساکین فهذا هو محل الخلاف))

”جب مدعی علیہ مدعی کے لیے اپنے اوپر یہ لازم کر لے کہ اگر وہ اس کا فلاں وقت پر حق ادا نہیں کرے گا تو وہ اس کو اتنی رقم ادا کرے گا تو اس کے باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ صریح سود ہے اور جب یہ پابندی عائد کر لے کہ فلاں وقت اس کا حق ادا نہ کیا تو میں اتنے پیسے فلاں کو دوں گا یا مساکین پر صدقہ کروں گا تو اس کے جواز میں (تضام) اختلاف

ہے۔ | اسلام اور جدید معیشت و تجارت: ص ۱۴۵ از تقی عثمانی

بحوالہ تحریر الکلام فی مسائل الالتزام]

اگر غور کیا جائے تو امام خطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اسلامی بینکوں میں رائج مالی جرمانہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

① ایک تو اس لیے کہ اسلامی بینکوں میں تاخیر پر جو جرمانہ وصول کیا جاتا ہے وہ واجب الادا رقم کے تناسب سے ہوتا ہے اور مدت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ بھی ہوتا جاتا ہے جبکہ امام خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ منشا قطعاً نہیں ہے۔

② دوسرا اس لیے کہ امام خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ یہ کہے کہ میں اتنی رقم قرض خواہ کو دوں گا یا اس کی وساطت سے صدقہ کروں گا بلکہ انہوں نے تو فرمایا ہے کہ مدیون یہ کہے کہ میں اتنی رقم فلاں کو یعنی کسی دوسرے کو دوں گا یا مساکین پر صدقہ کروں گا اسلامی بینکوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ اتنا جرمانہ بینک کے زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروائے گا۔

③ تیسرا اس لیے کہ امام خطاب رضی اللہ عنہ نے التزام کا لفظ بولا ہے جس کا مطلب ہے کہ مدیون اپنے ذمہ یہ لے نہ کہ دوسرا شخص یہ شرط لگائے۔ اس کے برعکس اسلامی بینکوں میں بینک کی طرف سے یہ شرط ہوتی ہے۔ اسلامی بینکاری کے حامی کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے شریعت میں تاخیر پر جرمانہ درست نہیں مگر چونکہ اس سے بینک کی آمدن میں اضافہ نہیں ہوتا اس لیے یہ جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک بینک کی آمدن میں اضافہ نہیں ہوتا مگر مدیون کی جیب سے تو اتنی رقم نکل جاتی ہے شریعت کا یہ منشا تو ہرگز نہیں کہ قرض خواہ کی آمدن میں اضافہ ہو تو جرمانہ ناجائز ہے ورنہ جائز۔ اوپر فقہاء کے حوالے سے جو عبارتیں ہم نے نقل کی ہیں وہ بھی اس تاویل کو قبول کرنے سے اباہ کر رہی ہیں۔

⑤ سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی Non Risk ہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جب کوئی اسلامی بینک کے ساتھ مریحہ یا اجارہ کا معاملہ کرنے جاتا ہے تو بینک اس سے اچھی خاصی رقم جو عام طور پر مطلوبہ چیز کی قیمت کا دس فیصد ہوتی ہے ٹوکن منی (حاشیہ جدید) کے نام سے وصول کرتا ہے تاکہ اگر بعد میں وہ شخص چیز لینے سے انکار کر دے اور بینک کو وہ چیز دوسری جگہ قیمت لاگت سے کم پر فروخت کرنی پڑے تو بینک اس ٹوکن منی سے اپنا نقصان پورا کر سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا اسلامی بینکوں کے نزدیک یہ خطرہ مول لینا رسک میں

شامل نہیں؟ ممکن ہے اسلامی بینکنگ کے محققین فرمائیں کہ ہمارے نزدیک اس قسم کے خطرے میں پڑنا رسک میں شامل نہیں اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دوسری جگہ بیچنے پر بینک کو فائدہ ہو کیا وہ یہ نفع خریداری کا آڈر دینے والے شخص کو دینے کے لیے تیار ہے؟ ظاہر ہے بینک اس پر تیار نہیں ہوگا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بینک نقصان اٹھانے کے لیے تیار نہیں تو نفع کس بنیاد پر لیتا ہے؟

اسلامی بینکاری کے حامیوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بینک چونکہ تجارتی ادارہ نہیں اس لیے بینک کے لیے اس طرح کا خطرہ مول لینا ممکن نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ان لوگوں کے موقف کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ بینک صرف کاغذوں کی حد تک کاروبار کرتا ہے عملاً اس کا کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلامی بینکنگ کے حامی جس کو رسک قرار دیتے ہیں وہاں بھی بینک خود کو انشورنس کے ذریعے محفوظ رکھتا ہے اور انشورنس کی رقم بھی لاگت میں شمار کر کے کلائنٹ سے وصول کر لیتا ہے۔ یعنی رسک کی ساری ذمہ داری کلائنٹ کی ہے۔ اسلام میں حقیقی رسک اٹھائے بغیر نفع لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلامی بینکوں میں رائج طریقہ ہائے تمویل کی حقیقت:

علاوہ ازیں اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری اور لوگوں کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کے جو طریقے مضاربہ، مراضیہ، مشارکہ، اجارہ اور بیع تروق رائج ہیں وہ اس سادہ صورت میں موجود نہیں جو کتب حدیث و فقہ میں بیان ہوئی ہیں۔ جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے ثابت ہوتا ہے۔

مضاربہ: اسلامی بینکوں میں زیادہ تر کھاتے مضاربہ کی بنیاد پر کھولے جاتے ہیں۔ مضاربہ کو قراض اور معاملہ بھی کہا جاتا ہے اس کا اطلاق کاروبار کی اس صورت پر ہوتا ہے جس میں ایک شخص جس کو رب المال (مال کا مالک) کہتے ہیں کا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرا شخص جس کو مضارب یا عامل کہا جاتا ہے، اس سرمایہ کی بنیاد پر تجارت کرتا ہے۔ اس تجارت سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس میں دونوں آپس میں طے شدہ تناسب سے شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((القراض والمضاربة ان يدفع اليه ما لا ليتجر فيه والربح مشترك))

”قراض اور مضاربہ کا یہ مطلب ہے کہ ایک شخص دوسرے کو مال دے تاکہ وہ اس میں تجارت

کر لے اور نفع دونوں میں مشترک ہو،

[المنہاج: کتاب القراض ج ۱ ص ۲۲۹]

نبیل المآرب میں ہے:

((وهی شرعان يدفع انسان من ماله الی انسان آخر شیئاً او یکون له تحت یدہ علی سبیل الودیعة او الغصب مال ویاذن له لیتجر فیہ ویکون الربح بینہما بحسب ما یتفقان علیہ))

”مضاربہ کا شرعی معنی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنے مال میں سے کچھ دے یا اس کا مال پہلے ہی سے بطور امانت اس کے پاس پڑا ہو یا اس نے غصب کر رکھا ہو اور وہ اس کو اجازت دے دے کہ وہ اس میں تجارت کرے اور نفع ان دونوں کے درمیان اس تناسب سے ہوگا جس پر وہ متفق ہوں۔“

[نبیل المآرب شرح دلیل الطالب ص ۱۹۴]

المخلص اللقیمی میں مضاربہ کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے:

((دفع مال معلوم لمن یتجر بہ ببعض ربحہ))

”نفع کے کچھ حصے کے بدلے مال اس شخص کے حوالے کرنا جو اس کو تجارت میں لگائے۔“ [۲ ص ۷۱]

مضاربہ کی صورت میں اگر تجارت میں خسارہ ہو جائے تو اس کا ذمہ دار صرف رب المال ہوتا ہے۔ مضارب اس میں حصہ دار نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اپنی محنت کے ثمرہ سے محروم رہتا ہے جیسا کہ حضرت علیؑ سے منقول ہے:

((الوضیعة علی المال والربح علی ما اصطلحوا علیہ))

”خسارہ رب المال کا ہوگا اور نفع اس تناسب سے جس پر انہوں نے اتفاق کیا ہو۔“ [مصنف

عبدالرزاق: ج ۸ ص ۲۴۸]

مضارب کی حیثیت:

امام ابن قیمؒ کے نزدیک مضارب کی چار حیثیتیں ہیں:

① امین ② اجیر ③ وکیل ④ شریک

وہ فرماتے ہیں کہ امین تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ مال اس کے قبضہ میں ہے اور مال میں

تصرف کے اعتبار سے وہ وکیل ہے (مال کے مالک کا نمائندہ) اور عملی اعتبار سے ایچر ہے جب اس مال میں نفع حاصل ہو جائے تو تب وہ شریک ہوگا۔

[الملخص الفقہی: ج ۲ ص ۷۱]

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں جو مال مضارب کے حوالے کیا گیا ہے وہ اس کے پاس امانت ہے اور وہ اس میں وکیل بھی ہے کیونکہ وہ مال کے مالک کے حکم سے تصرف کرتا ہے جب فائدہ ہو تب وہ شریک بن جاتا ہے کیونکہ اپنے عمل کی بدولت مال کے ایک حصے کا مالک بن چکا ہے۔ [ہدایہ مع البنایہ: ج ۱۰ ص ۴۲۲، ۴۲۵]

مضاربہ کی شرطیں:

مضاربہ میں جن شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ان میں سے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ نفع میں فریقین میں سے ہر ایک کے حصہ کا تناسب پہلے سے طے ہو مثلاً نفع رب المال اور مضارب میں برابر تقسیم ہوگا یا رب المال نفع کے ساٹھ فیصد اور مضارب چالیس فیصد کا حقدار ہوگا کیونکہ مضاربہ میں اصل عقد منافع پر ہوتا ہے اگر یہ مجہول ہو تو مضاربہ فاسدہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ بدائع الصنائع ج ۱۳ ص ۱۷۱ میں ہے۔ امام مالک کے نزدیک نفع کی تقسیم کے وقت رب المال کا موقع پر موجود ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ مؤطا میں ہے:

((قال مالک: فسی رجل دفع الی رجل مالا قراضا فعمل بہ فربح فارادا ان یاخذ حصتہ من الربح وصاحب المال غائب قال لا یبغی لہ ان یاخذ منه شینا الا بحضرة صاحب المال))

”اس شخص کے بارے میں جو دوسرے کو مضاربہ کی بنیاد پر مال دیتا ہے وہ اسے کام میں لا کر نفع حاصل کرتا ہے اب وہ یہ چاہتا ہے کہ رب المال کی غیر موجودگی میں ہی نفع سے اپنا حصہ لے لے امام مالک نے فرمایا جب تک مال کا مالک موجود نہ ہو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا۔“ [کتاب القراض: باب المحاسبہ فی القراض]

اسی طرح اگر کسی آدمی نے دوسرے کو مضاربہ کی بنیاد پر مال دیا اس نے تجارت کے ذریعے نفع کمایا پھر اس مال کو الگ کر کے نفع سے اپنا حصہ لے لیا اور رب المال کا حصہ گواہوں کی موجودگی پر مال میں شامل کر دیا، امام مالک فرماتے ہیں کہ جب تک مال کا مالک موجود نہ ہو نفع تقسیم کرنا درست نہیں۔ اگر مضارب نے از خود کوئی چیز لی ہو تو وہ اسے واپس کرے حتیٰ کہ مال کا مالک اپنا

مال وصول پالے پھر جو باقی بچے اس کو دونوں آپس میں تقسیم کر لیں۔ [حوالہ مذکورہ]
 امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بات ہر لحاظ سے عقلی میزان پر پورا اترتی ہے اس لیے کوئی دانشور اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ بات تو سیدھی سی ہے کہ جب رب المال اور مضارب دونوں نفع میں شریک ہیں تو کیا اس کا فرض نہیں کہ وہ رب المال کو اعتماد میں لے اور بتائے کہ میں نے یہ کاروبار کیا اتنے اخراجات آئے باقی یہ نفع ہے نہ کہ باقی سب فیصلے خود ہی کر لے۔

مضاربہ کا میدان:

اکثر فقہاء کے نزدیک مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ استعمال نہیں کیا جاسکتا چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((عقد القراض يقتضى تصرف العامل فى المال بالبيع والشراء ، فإذا قارضه على أن يشتري به نخلا يمسك رقابها ويطلب ثمارها لم يجز لانه قيد تصرفه الكامل بالبيع والشراء ، ولان القراض مختص بما يكون النماء فيه نتيجة البيع والشراء وهو فى النخل نتيجة عن غير بيع وشراء فبطل أن يكون قراضا ولا يكون مساقاة، لانه عاقده على جهالة بها قبل وجود ملكها، وهكذا لو قارضه على شراء دواب أو مواشى يحبس رقابها ويطلب نتاجها لم يجز لما ذكرنا))

”عقد مضاربہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ مضارب مال میں خرید و فروخت کے ذریعے تصرف کرے چنانچہ جب وہ اس طرح مضاربہ کرے کہ وہ اس مال سے کھجوروں کے درخت خریدیگا اور ان سے پھل حاصل کرے گا تو یہ جائز نہیں کیونکہ قید یہ ہے کہ کامل تصرف خرید و فروخت کے ذریعے ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربہ ان معاملات کے ساتھ مختص ہے جہاں مال میں اضافہ خرید و فروخت کے نتیجے میں ہو جبکہ کھجوروں میں یہ اضافہ خرید و فروخت کے نتیجے میں نہیں اس لیے اس کا مضاربہ باطل ٹھہرا اور یہ مساقات کا معاملہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں یہ کھجوروں کی ملکیت وجود میں آنے سے پہلے مجہول درختوں پر عقد ہوگا اسی طرح اگر اس طرح مضاربہ کر لے کہ وہ جانور یا مویشی خریدے گا جو بذات خود اس کے پاس محفوظ ہوئے مگر ان کی پیداوار حاصل کرے گا تو یہ بھی جائز نہیں وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے یعنی یہ نفع خرید و فروخت کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوا۔ [مجموعہ ج ۱۳ ص ۳۷۱]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

((لو قارضه على أن يشتري الحنطة فيطحنها ويخبزها والطعام ليطحه ويبيعه والغزال لينسجه والشوب أو ليقصده والدبغ بينهما فهو فاسد.....قارضه على دراهم على أن يشتري نخيلاً أو دواب أو مستغلات ويمسك رقابها لثمارها ونتاجها وغلاتها وتكون الفوائد بينهما فهو فاسد لأنه ليس ربحاً بالتجارة بل من عين المال))

”اس کا مطلب یہی ہے کہ مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ دوسری پیداواروں کیسٹیموں میں استعمال نہیں ہو سکتا جیسے کوئی اس بات پر مضاربہ کر لے کہ وہ گندم خرید کر اسے بیچے گا یا اور نفع دونوں میں تقسیم ہوگا تو یہ مضاربہ فاسدہ ہوگا کیونکہ یہ نفع تجارت کے ذریعے حاصل نہیں ہوا بلکہ خود مال سے جنم لیا ہے“

[روضۃ الطالبین: ج ۲ ص ۱۸۸]

امام ابوالقاسم عبدالکریم الرافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((لو قارضه على ان يشتري الحنطة فيطبخها ويخبزها والطعام ليطحه ويبيع والربح بينهما فهو فاسد ان الطبخ والخبر ونحوهما اعمال مضبوطة يمكن الاستئجار عليها وما يمكن الاستئجار عليه فليسغني عن الفرائض انما القراض لما لا يجوز الاستئجار عليه وهو التجارة التي لا ينضبط قدرها)) [فتح القدیر شرح الوجیز: ج ۱۲ ص ۱۱۱]

”یعنی مضاربہ کے مال سے صرف تجارت کی جاسکتی ہے دوسرے نفع بخش کاموں میں لگانے کی اجازت نہیں کیونکہ مضاربہ وہاں ہوتا ہے جہاں اجارہ نہ ہو سکے اور وہ تجارت ہے جہاں اجارہ ہو سکے وہاں مضاربہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔“

فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مضاربہ کا مال صرف تجارت اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں میں ہی لگایا جاسکتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

((فينتظم العقد صنوف التجارة وما هو من صنيع التجار))

[هدایہ مع البناہ: ج ۱۰ ص ۵۲]

دوسری جگہ ایک مسئلہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ یہ امام محمد اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس لیے جائز نہیں کہ یہ تجارت میں شامل نہیں اور عقد مضاربہ کا مقصد صرف تجارت میں کسی کو ایجنٹ بنانا ہے مزید لکھتے ہیں کہ ”جب یہ تجارت نہیں تو مضاربہ میں بھی شامل نہیں۔“ [ہدایہ مع البنا یہ: ج ۱۰ ص ۸۷]

علامہ زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

((لَوْ قَارَضَهُ عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَ بِالذَّرَاهِمِ نَخْلًا لَيْسَتْ غَلَّةً، وَالرِّبْحُ بَيْنَهُمَا، لِأَنَّ مَا حَصَلَ لَيْسَ بِتَصَرُّفِ الْعَامِلِ، وَإِنَّمَا هُوَ مِنْ عَيْنِ الْمَالِ))

”اگر کوئی یوں مضاربہ کر لے کہ وہ درہموں سے کھجوروں کے درخت خریدے گا تا کہ ان کی آمدن حاصل کرے اور نفع دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں جو نفع حاصل ہوا ہے وہ مضاربہ کے تصرف کا نتیجہ ہے وہ تو مال کا اپنا حصہ ہے۔“ [البہجة

الوردية: باب القراض ج ۱۱ ص ۴۸۰]

مذکورہ بالا عبارتیں اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ ان جلیل القدر فقہاء کے نزدیک مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ دوسرے نفع بخش منصوبوں میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ ایک تو اس لیے کہ دوسرے منصوبوں کے ذریعے جو فائدہ حاصل ہوگا وہ مضاربہ کی محنت کی بجائے خود مال کا نتیجہ ہوگا۔ جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ اور دوسرا اس لیے کہ مضاربہ صرف اس چیز میں ہوتا ہے جو غیر منضبط ہو اور وہ صرف تجارت ہے۔ جہاں اجارہ ہو سکے وہاں مضاربہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ امام عبدالکریم الرافعی نے ذکر کیا ہے۔

چونکہ دلائل کے اعتبار سے یہ نقطہ نظر قوی ہے اس لیے اسلامی بینکاری کے حامی بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ بنیادی طور پر مضاربہ تجارت میں ہی ہوتا ہے۔ دوسرے زرعی اور صنعتی منصوبوں میں اس کا استعمال اس کے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے کیا جانے لگا ہے چنانچہ عالمی سطح پر اسلامی بینکوں کی شرعی رہنمائی کے لیے قائم تنظیم ”هیئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية

الاسلامية“ Accounting And Auditing Organization for Islamic

Financial Institutions (مخفف: AAOFi) کے شائع کردہ المعايير الشرعية میں ہے۔

((والمضاربة من الصيغ التي تستخدم غالباً في التجارة ثم توسعت

استخداماتہا حتی شملت مجالات الاستثمار التجارية والزراعية والصناعية و الخدمية وغيرها))

”مضار بہ ان طریقوں میں سے ہے جو زیادہ تر تجارت میں استعمال کیا جاتا ہے پھر اس کے استعمال میں وسعت پیدا ہوگی یہاں تک کہ تجارتی، زرعی اور صنعتی سرمایہ کاری وغیرہ کو بھی شامل ہو گیا۔“ [ص ۲۳۲]

مضار بہ کے مفہوم میں یہ وسعت کس نے پیدا کی کب کی اور کس بنیاد پر کی؟ ہمیں پورا یقین ہے کہ اسلامی بینکنگ کے حامیوں کے پاس اس کا کوئی ایسا جواب نہیں ہے جو اہل علم کو مطمئن کر سکے یہی وجہ ہے کہ المعاییر الشرعیۃ کے قابل احترام علماء کرام نے اس کے متعلق اس سے زیادہ لب کشائی نہیں فرمائی۔

اسلامی بینکوں میں رائج مضار بہ کی حقیقت:

اگر اسلامی بینکاری کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں رائج مضار بہ میں اوپر بیان کردہ اصولوں اور شرطوں کا پوری طرح خیال نہیں رکھا جاتا اور نہ ہی یہ عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اسکی وضاحت کے لیے ذیل کی سطور ملاحظہ فرمائیں۔

① اگرچہ اسلامی بینکوں میں یہ سہولت موجود ہے کہ اگر کوئی ڈیپاز ایٹر یہ جاننا چاہے کہ نفع کی تقسیم کس تناسب سے ہوگی تو متعلقہ بینک کے ذمہ دار بتانے کے پابند ہیں یا وہ خود بھی بینک کی ویب سائٹ پر دیکھ سکتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ ڈیپاز ایٹر سے جو فارم پر کروایا جاتا ہے اس میں صاف لکھا ہوتا ہے کہ بینک یہ تناسب تبدیل کرنے کا بھی مجاز ہے تاہم اس صورت میں بینک کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ تبدیل شدہ تناسب اپنی ویب سائٹ پر جاری کرے یا لکھ کر نوٹس بورڈ پر آویزاں کرے۔ اب یہ تبدیل شدہ تناسب کتنی مدت کے لیے ہو گا اس کا ذکر نہیں ہوتا اس سے یہ معاملہ ناجائز ہو جاتا ہے۔ اسلامی بینکنگ کے مؤیدین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ صراحت ہونی چاہیے کہ نفع کی تقسیم کا یہ فارمولا کب تک چلے گا۔ دیکھیے المعاییر الشرعیۃ ص ۲۲۲

② اسلامی بینکوں میں نفع کی تقسیم کے لیے رقم کی کمی بیشی کی بنیاد پر ڈیپاز ایٹر کی رقم کا الگ الگ وزن مقرر کیا جاتا ہے جس کی رقم زیادہ ہو اس کا وزن زیادہ رکھا جاتا ہے اور جس کی رقم تھوڑی ہو اس کا کم۔ مثلاً میزان بینک کی ویب سائٹ سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق ماہ

اپریل کا ویج اسائنڈیوں ہے: اگر رقم ۱۰۰۰۰ سے لیکر ایک لاکھ سے کم تک ہو تو ویج اسائنڈی ۰.۳۱ ہوگا اور اگر رقم ایک لاکھ سے لیکر ۰.۹۹ بلین تک ہو تو ویج اسائنڈی ۰.۳۶ تک ہوگا۔ گویا اسلامی بینکوں میں کم رقم رکھوانا جرم ہے جس کی سزا یہ ہے کہ اس کی رقم کا وزن کم رکھا جائے۔ ویج اسائنڈی کو رقم کی کمی بیشی سے مربوط کرنا عدل کے خلاف ہے۔ ۱۹۸۷ء میں خود اسٹیٹ بینک اسکو غلط کہ چکا ہے۔ دیکھیے B-C-D کا جاری کردہ سرکیولر نمبر ۶ بتاریخ 12-7-1987

یہاں ایک اور زیادتی بھی کی جاتی ہے وہ یہ کہ مضاربہ میں بینک کی اپنی رقم بھی ہوتی ہے بینک اس کا ویج اسائنڈی پاز بیٹر سے مختلف رکھتا ہے۔ مثلاً اسی ماہ اپریل میزان بینک نے اپنی رقم کا ویج اسائنڈی ۷.۰ رکھا ہے۔ یہ فرق خود اس اصول کے بھی خلاف ہے وہ اس طرح کہ اگر بینک نے مثلاً مضاربہ میں ایک ارب روپیہ لگایا ہے اور اس میں نوے کروڑ کھاتہ دار کا اور دس کروڑ بینک کا تو اس اصول کے مطابق کھاتہ داروں کے ویج اسائنڈی بینک کی رقم سے زیادہ ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ مجموعی اعتبار سے کھاتہ داروں کی رقم زیادہ ہے لیکن بینک نے الٹا اپنی رقم کا ویج اسائنڈی زیادہ رکھا ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہو کہ جب اسٹیٹ بینک نے ۱۹۸۷ء میں اس سے روک دیا تھا پھر اسلامی بینک ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعد میں جب کچھ وجوہ کی بنا پر یہ پابندی اٹھائی گئی تو اسلامی بینکوں نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا مگر سوال یہ ہے کہ کیا اسٹیٹ بینک کی پابندی ختم ہونے سے ایک غلط کام جائز ہو جاتا ہے اگر یہ اصول درست ہے تو بینک اور کھاتہ دار دونوں کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔

③ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ میں تیسری خرابی یہ ہے کہ ڈیپاز بیٹر بینک کا شریک ہے۔ اس ناطے بینک پر لازم ہے کہ اس کو اعتماد میں لے جس طرح بینک اپنے شیئر ہولڈرز کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور بورڈ آف ڈائریکٹرز ہولڈرز کی نمائندگی کرتا ہے۔ بینک سے متعلقہ ہر چیز اس کے علم میں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ڈیپاز بیٹر کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ بینک کیا کر رہا ہے اور کتنا نفع ہوا ہے جو بینک دے دے کھاتہ دار پر اس کو قبول کرنا فرض ہوتا ہے۔ اسلامی بینکوں کے فارموں میں بھی یہ درج ہوتا ہے کہ بینک نے جو نفع تقسیم کر دیا ہے ڈیپاز بیٹر اسکو قبول کرنے کا پابند ہوگا کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہوگا۔ ہم اسلامی بینکاری کے حامیوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ شرط قرین انصاف ہے؟

اسلامی بینکاری کے سکارڈاکٹر رفیق یونس مصری اسلامی بینکنگ میں حائل موانع اور مشکلات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((الان المود عين يشكون من صعوبة اخرى هي انهم شركاء فيما بينهم بالمال ولكنهم مشتون لا تجمعهم اى جمعية او هيئة لحماية معاملتهم حيال المساهمين فى المصرف الذين تجمعهم جمعية عمومية ويمثلهم مجلس ادارة))

”بلاشبہ ڈیپازٹر ایک اور مشکل کا شکار ہیں وہ یہ کہ وہ مال کے ساتھ بینک کے شریک ہیں لیکن بینک میں حصہ دار جنکی نمائندگی بورڈ آف ڈرائیکٹرز کر رہا ہوتا ہے کے مقابلے میں ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے کوئی تنظیم یا بورڈ نہیں۔“

[المصارف الاسلامیہ: ص ۲۵]

⑤ چوتھی بڑی خرابی یہ ہے کہ اسلامی بینک فقہاء کی اکثریت کے نقطہ نظر کے مطابق مضاربہ کا مال صرف تجارت میں ہی نہیں لگاتے بلکہ دوسرے منصوبوں پر بھی لگاتے ہیں۔
مراہجہ:

مروجہ اسلامی بینکوں نے فنانسنگ کے جو مختلف طریقے متعارف کرائے ہیں ان میں سرفہرست مراہجہ ہے۔ جس کو اسلامی بینکنگ کے نام پر وسیع پیمانے پر فروغ حاصل ہوا ہے۔ بیع مراہجہ کا مفہوم یہ ہے کہ فروخت کنندہ کوئی چیز اس وضاحت کے ساتھ بیچے کہ میں نے یہ اتنے میں خریدی ہے اور اب اتنے منافع کے ساتھ فلاں قیمت پر تمہیں فروخت کرتا ہوں۔ چنانچہ علامہ موفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد قدامہ حنبلی مقدسی فرماتے ہیں:

((مَعْنَى بَيْعِ الْمُرَابَحَةِ، هُوَ الْبَيْعُ بِرَأْسِ الْمَالِ وَرَبْحٍ مَعْلُومٍ، وَشُتْرَطُ عِلْمُهُمَا بِرَأْسِ الْمَالِ فَيَقُولُ رَأْسُ مَالِي فِيهِ أَوْ هُوَ عَلَيَّ بِمِائَةِ بَعْتُكَ بِهَا، وَرَبْحٌ عَشْرَةٌ))

”مراہجہ کا معنی ہے اصل لاگت اور متعین نفع کے ساتھ فروخت کرنا اس میں ضرور ہے کہ فروخت کنندہ اور مشتری کو اصل لاگت معلوم ہو، چنانچہ بیچنے والا کہے کہ اس میں میرا اصل سرمایہ مجھے یہ ایک سو کی پڑی ہے میں آپ کو دس نفع لے کر اتنے میں بیچتا ہوں۔“

[المعنى: ص ۶، ص ۲۶۶]

نفت کی مشہور کتاب ”المعجم الوسیط“ میں ہے:

((هو بیع برأس المال مع زیادة معلومة))

اصل قیمت پر متعین نفع کے ساتھ فروخت کرنا بیع مراءحہ ہے۔ عام بیع اور مراءحہ میں یہ فرق ہے کہ عام بیع میں چیز کی اصل قیمت اور اپنا نفع بتانا ضروری نہیں ہوتا جبکہ مراءحہ میں مشتری کو اصل قیمت سے آگاہ کرنا لازمی شرط ہے۔

مراءحہ کی ضرورت اور اس کے بنیادی اصول:

مراءحہ ایک تمدنی اور معاشرتی ضرورت ہے کیونکہ ہر آدمی میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ کسی چیز کو اس کی اصل قیمت پر مناسب نفع کے بدلے خرید سکے بعض دفعہ تو فروخت کنندہ اصل قیمت سے بھی کئی گنا زیادہ نفع مانگ لیتا ہے۔ اس بناء پر انسان سوچتا ہے کہ کوئی ایسا شخص مل جائے جو اپنی لاگت پر معقول نفع لے کر بیچنے پر تیار ہو۔ اس لحاظ سے بیع مراءحہ کی بنیاد امانت داری پر ہے لہذا اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی خیانت اور غلط بیانی سے مبرا ہو اور مشتری کو اصل قیمت کا علم ہو جیسا کہ ”الموسوعة الفقیہ الکویتیہ“ میں ہے۔

((یشترط ان یکون الثمن الاول معلوما للمشتري الثاني لان العلم

بالثمن شرط فی صحة البیوع فاذا لم یعلم الثمن الاول فسد العقد))

”اس میں یہ شرط ہے کہ مشتری ثانی کو پہلی قیمت کا علم ہو۔ کیوں کہ بیوع کے صحیح ہونے کے

لئے قیمت کا علم شرط ہے۔ جب پہلی قیمت کا علم نہیں ہوگا تو عقد فاسد ہو جائے گا۔“

مراءحہ کی مختلف قسمیں اور ان کا شرعی حکم:

نفع کے تعین کے اعتبار سے مراءحہ کی دو صورتیں ہیں:

① پوری قیمت پر نفع کی ایک مخصوص مقدار مقرر کر لی جائے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ اس قیمت سے

اتنے روپے زائد میں بیچتا ہوں یہ صورت سب کے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ علامہ موفقی

الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد قدامہ حنبلی مقدسی رقم طراز ہیں:

((فہذا جائز لا خلاف فی صحیحہ ، ولا نعلم فیہ عند أحد سکر اہة))

”یہ جائز ہے کہ اس کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہمیں نہیں علم کہ اس کے بارے میں

کسی سے کراہت منقول ہو۔“ [المغنی: ۶ ص ۲۶۶]

② دوسری صورت یہ ہے کہ نفع کا ایک خاص تناسب طے کر لیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ اصل

قیمت پر اتنے فیصد زائد نفع وصول کروں گا۔ صحابہ اور فقہار کے ہاں یہ صورت بیع دہ یا زدہ ”یا“ دہ دوازدہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس چیز میں میرا اصل سرمایہ اتنے روپے ہے اور میں ہر دس کے بدلے ایک روپیہ یا ہر دس کے بدلے دو روپے نفع لوں گا اس کے جواز میں اختلاف ہے۔

قاضی شریح سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی اس کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

((عن شریح وسعید بن المسیب و ابراہیم النخعی انہم کانوا یجیزون بیع دہ دوازدہ))

”شریح سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی بیع دہ دوازدہ جائز قرار دیتے ہیں۔“

[السنن الکبریٰ: کتاب البیوع، باب المرابحہ]

امام بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

((لا باس بیع دہ دوازدہ))

”بیع دہ دوازدہ میں کوئی حرج نہیں۔“

[مصنف عبدالرزاق: کتاب البیوع، باب بیع دہ دوازدہ]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

((لا باس العشرۃ بأحد عشر، ویأخذ للنفقة ربحاً))

”اس میں کوئی حرج نہیں کہ دس کو گیارہ کے بدلے بیچے اور اخراجات پر بھی نفع وصول کریں۔“

[صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب من اجرى الامصار علی ما يتعارفون بينهم فی البیوع والاجازة]

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

((أی لا باس أن یبیع ما اشتراه بمائة دينار مثلاً کل عشرۃ منه بأحد عشر

فیکون رأس المال عشرۃ والربح ديناراً))

”یعنی اس میں کوئی حرج نہیں کہ جو چیز سو دینار کی خریدی ہے وہ اس طرح بیچے کہ ہر دس کے بدلے گیارہ دیناروں کا تو اصل مال دس دینار ہوئے اور ایک دینار نفع۔“

[فتح الباری: ج ۴ ص ۵۱۳]

امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اہل الرائے اور ابن منذر کی رائے میں بھی یہ جائز ہے۔ [المغنی: ۶ ص ۲۶۶]

اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے میں مراءجہ کی یہ صورت ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((بيع ده دوازه ربا))

”بیع دہ دوازہ سود ہے۔“

[مصنف عبدالرزاق: کتاب البیوع، باب بیع دہ دوازہ]

اور عبداللہ بن ابی یزید کہتے ہیں:

((سمعت ابن عباس یکره بیع دہ دوازہ قال وذاک بیع الاعاجم))

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ

وہ بیع دہ دوازہ کو مکروہ سمجھتے تھے فرماتے تھے یہ عجمیوں کی بیع ہے۔ امام احمد نے بھی اس کو

مکروہ کہا ہے اور امام اسحاق بن راہویہ کے خیال میں بھی یہ ناجائز

ہے۔ [المغنی: ۲ ص ۲۶۶]

[السنن الکبریٰ للبیہقی ومصنف عبدالرزاق: کتاب البیوع، باب المراءجہ]

راجع رائے:

اگر فریقین کے دلائل کا موازنہ کیا جائے تو حسب ذیل وجوہ کے باعث ان بزرگوں کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے جو اس کے حق میں ہیں۔

① قرآن وحدیث میں کوئی ایسی نص نہیں ملتی جو اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہو۔ نیز اس سے کسی شرعی ضابطے کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوتی۔

② پہلی قسم کی طرح اس میں بھی ہر چیز واضح ہے اصل لاگت بھی معلوم ہوتی ہے اور نفع بھی متعین ہے۔

③ جہاں تک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آثار کا تعلق ہے ان بارے میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

((وهذا یحتمل ان یکون انما نہی عنه اذا قال هو لک بدہ یا زده أو قال بدہ

دوازده لم یسم راس المال ثم سماه عند النقد و كذلك ماروی عن ابن عمر فی ذلك))

”اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممانعت تب ثابت ہے جب یہ کہے کہ یہ چیز میں تجھے اس طرح فروخت کرتا ہوں کہ ہر دس کے بدلے ایک یا ہر دس کے بدلے دو نفع لوں گا۔ اصل لاگت کا تذکرہ نہ کرے۔“ [السنن الکبریٰ: کتاب الیوع، باب المرابحة]

پھر ادائیگی کے وقت اس کی وضاحت کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا بھی یہی مطلب ہے۔ یاد رہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر سنداً بھی ثابت نہیں کیوں کہ اس کو سفیان بن عیینہ صیغہ عن سے بیان کر رہے ہیں اور وہ مدلس ہیں۔

مراہجہ میں ضمنی اخراجات کا حکم:

یہاں یہ امر بھی قابل ملاحظہ ہے کہ بیٹی جانے والی چیز پر جو اخراجات آتے ہیں فروخت کنندہ ان کو بھی اصل لاگت میں شامل کر کے مجموعی لاگت پر نفع حاصل کرے گا۔ اوپر صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ فروخت کنندہ اخراجات پر بھی نفع لے سکتا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ رقم طراز ہیں:

((للباع ان يحسب في المرابحة جميع ما صرفه ويقول قام على بكذا))

”مراہجہ میں بائع کو یہ بھی حق ہے کہ وہ تمام اخراجات کو شمار کر کے یہ کہے کہ یہ مجھے اتنے کی پڑی ہے۔“ [فتح الباری: ص ۳۰۱]

بیج مراہجہ اور بینکاری:

مذکورہ بالا تفصیل سے مراہجہ کا شرعی تصور اور اس کے اصول و مبادی نکھر کر سامنے آگئے ہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ اس کا بینکاری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اسلامی بینکاری کے حامی مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”یہ اصطلاح آج کل معاشی حلقوں میں ایک بینکاری کے طریقے کے طور پر مروج ہے۔ جبکہ مراہجہ کا اصل تصور اس خیال سے مختلف ہے۔ مراہجہ اصل میں اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد ایک قسم کی بیج ہوتی ہے۔ جس کا اپنے اصل تصور کے اعتبار سے تمویل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔“ [اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص ۹۹]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”بنیادی طور پر مراحجہ طریقہ تمویل نہیں بلکہ بیع کی ایک خاص قسم ہے۔ شریعت کی رو سے تمویل کے مثالی طریقے ”مشارکہ“ اور ”مضاربہ“ ہیں۔“

آگے چل کے لکھتے ہیں:

”یہ بات کسی صورت نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ مراحجہ اصل کے اعتبار سے طریقہ تمویل نہیں۔ یہ تو صرف سود سے بچنے کا ایک وسیلہ اور حیلہ ہے۔ ایسا مثالی ذریعہ تمویل نہیں جو اسلام کے معاشی مقصد کی تکمیل کرتا ہو۔“

[اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ۱۰۸]

اسلامی بینکوں میں راجح مراحجہ:

اسلامی بینکوں میں راجح مراحجہ اصل میں ”المراحجہ للآمر بالمرأه یا المراحجہ للواعد بالشرء“ ہے۔ یعنی خریداری کا آرڈر دینے یا خریداری کا وعدہ کرنے والے کے ساتھ مراحجہ کا معاملہ کرنا اس کو مراحجہ مرکبہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کلائنٹ بینک سے درخواست کرتا ہے کہ آپ میرے لیے اس کو الٹی کی فلاں فلاں چیز خرید لیں میں وہ مراحجہ کی بنیاد پر آپ سے خرید لوں گا۔ شرح منافع کا تعین ہی پہلے ہو جاتا ہے۔ اور اس کا تعین شرح سود سے کیا جاتا ہے۔ عام طور پر بینک کلائنٹ کی دلچسپی جانچنے کے لیے ٹوکن منی (المامش الحدی) بھی وصول کرتا ہے پھر جب بینک حسب وعدہ مطلوبہ سامان خرید لیتا ہے تو باقاعدہ بیع کے ذریعے کلائنٹ کو فروخت کرتا ہے اور کلائنٹ عموماً اپنے وعدے کے مطابق خریدنے کا پابند ہوتا ہے بعض دفعہ بینک پر بھی وعدے کی پابندی لازم ہوتی ہے لیکن عام طور پر بینک آزاد ہی ہوتا ہے۔ اگر بینک کے سامان خریدنے کے بعد کلائنٹ حسب وعدہ خریدنے سے انکار کر دے تو بینک وہ سامان کسی دوسرے کو بیچ دیتا ہے اور اصل الاگت سے جتنا خسارہ ہوتا ہے وہ وعدہ کرنے والے سے وصول کرتا ہے بینک چونکہ تجارتی ادارہ نہیں ہے اس لیے عام طور پر وہ خود سامان خریدنے کی بجائے اس کلائنٹ کو ہی خریداری کے لیے وکیل مقرر کر دیتا ہے کہ آپ یہ سامان خود خرید لیں اور اکثر کلائنٹ اپنا سپلائر بھی خود متعین کرتا ہے اور اس کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بینک اسی سے مطلوبہ سامان خرید کر اسے فروخت کرے کلائنٹ کا بینک کے ساتھ یہ معاہدہ بھی ہوتا ہے کہ بیع کے بعد اگر اس نے وعدے کے مطابق ادائیگی نہ کی تو وہ اتنی رقم بینک کے زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروائے گا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں راجح مراحجہ قطعاً وہ نہیں جس کو ہمارے اسلاف نے جائز قرار دیا ہے بلکہ اس میں اور شرعی مراحجہ میں کئی

اعتبار سے فرق ہے۔

① شرعی مراہجہ میں بیچا جانے والا سامان تاجر کے پاس پہلے سے موجود ہوتا ہے اس کے برعکس اسلامی بینکوں میں رائج مراہجہ میں مطلوبہ سامان بینک کے پاس موجود نہیں ہوتا۔

② شرعی مراہجہ میں چونکہ تاجر نے سامان خریداری کے آرڈر یا وعدہ کے بغیر خریدا ہوتا ہے اس لیے وہ حالات کے رحم و کرم پر ہوتا ہے ممکن ہے گا بک فوراً آجائے اور یہ فروخت ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑے اور یہ بھی خدشہ ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں بازار میں چیز کی قیمت گر جائے اور یہ نقصان اٹھا کر بیچنے پر مجبور ہو جائے۔ اسلامی بینکوں میں رائج مراہجہ میں بینک کو یہ خطرات درپیش نہیں ہوتے۔

③ شرعی مراہجہ ایک ہی مرحلہ میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی بینکوں میں مروجہ مراہجہ دو مرحلوں میں انجام پاتا ہے۔ پہلے مرحلہ میں وعدہ ہوتا ہے اور دوسرے مرحلہ میں عقد کی رسم ادا ہوتی ہے۔

④ شرعی مراہجہ میں ادائیگی نقد بھی ہو سکتی ہے او ادھار بھی لیکن بینکاری مراہجہ اکثر موبل ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ لوگ بینکوں میں جاتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کے پاس رقم نہیں ہوتی۔

⑤ شرعی مراہجہ کا معاملہ کرتے وقت سود فریقین کے وہم و خیال میں بھی نہیں ہوتا جبکہ اسلامی بینکوں میں نفع کا تعین ہی شرح سود سے ہوتا ہے۔

⑥ شرعی مراہجہ میں صرف دو فریق ہوتے ہیں: (۱) بیچنے والا (۲) خریدنے والا

اس کے برعکس یہاں ایک تیسرا فریق بینک بھی ہوتا ہے۔

مروجہ مراہجہ کا شرعی حکم:

یہ صورت چونکہ شرعی مراہجہ سے بالکل مختلف ہے اس لیے اس کو شرعی مراہجہ کی بنیاد پر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ یہ پوری طرح شرعی اصول سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

ذیل میں ہم شرعی اصول کی روشنی میں اس کی مختلف صورتوں کا الگ الگ حکم بیان کرتے

ہیں۔

① اگر بینک کیساتھ کیے ہوئے وعدہ کی پابندی فریقین کے لیے لازمی ہو کہ بینک ہر صورت

سامان دینے اور کلائنٹ خریدنے کا پابند تو یہ صورت عملاً بیچ ہی کی ہے جو شرعی اصول سے

متصادم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔
چنانچہ ڈاکٹر شیخ محمد سلیمان الاشرقر لکھتے ہیں:

((وإذا تم هذا فان الاتفاق في الحقيقة هو عقد لان ما فيه من اتفاق ارادتين على انشاء حق فهو عقد بلاريب ولو سمي وعدا فهو عقد ايضا فاذا خبري الاتفاق على هذه الطريقة فهو عقد باطل وحوام لا سباب))

”جب یہ معاملہ پورا ہو جائے تو یقیناً یہ ایگریمنٹ درحقیقت عقد ہے کیوں کہ اس ایک حق کو وجود میں لانے کا جو دو ارادوں پر اتفاق ہے وہ بلاشبہ عقد ہے اگرچہ اسے وعدے کا نام بھی دیا جائے پھر بھی یہ عقد ہے جب ایگریمنٹ اس طریقے کے مطابق پورا ہو تو وہ چند اسباب کی بناء پر باطل اور حرام ہے۔“

[بحوث فقیہہ فی قضاء اقتصادی معاصرہ: ج ۱ ص ۸۲]

وہ کون سے شرعی اسباب ہیں جن کی بنیاد پر یہ عقد حرام قرار پاتا ہے اس کی وضاحت میں شیخ اشقر فرماتے ہیں

① اس کی حرمت کا پہلا سبب یہ ہے کہ بینک کلائنٹ کو ایک ایسی چیز بیچ رہا ہے جو ابھی تک اس کی ملکیت نہیں حالانکہ نبی ﷺ نے اس چیز کی بیع کی ممانعت فرمائی ہے جو قبضے میں نہ ہو۔ اور آپ ﷺ نے اس بیع سے بھی منع فرمایا ہے کہ ایسی چیز آگے بیچی جائے جو انسان کے پاس موجود نہ ہو۔

② بینک نے معلق بیع کی ہے کیوں کہ کلائنٹ بینک سے یہ کہتا ہے کہ اگر تم اس کو خرید لو تو میں تم سے لے لوں گا جبکہ بیع معلق صحیح نہیں ہے۔

③ اس کی حرمت کا تیسرا سبب یہ ہے کہ یہ سود پر قرض دینے کا حیلہ ہے۔

④ اگر بیچ جانے والی چیز کا تعلق غذائی اشیاء سے ہو تو اس میں ممانعت کا چوتھا سبب بھی شامل ہو جاتا ہے۔ جس کی طرف ابن عبدالبر نے اشارہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے طعام کی بیع سے منع فرمایا حتیٰ کہ تاجر اسے اٹھا کر اپنے ٹھکانوں پر لے جائیں۔

[بحوث فقیہہ فی قضا یا اقتصادی معاصرہ: ج ۱ ص ۷۲۷۳]

علاوہ ازیں یہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بھی مخالف ہے۔

((البيعان بالخيار ما لم يتفرقا))

”الگ ہونے تک بائع مشتری دونوں کو اختیار ہوتا ہے۔“

[صحیح بخاری: کتاب البيوع، باب کم يجوز الخيار]

لیکن بینک میں مرید مہاجرین میں یہ اختیار سلب کر لیا جاتا ہے۔
امام شافعی فرماتے ہیں:

((وإذا أرى الرجل الرجل السعلة فقال اشتر هذه وأربحك فيها كذا فاشترها الرجل فالشراء جائز والذي قال أربحك فيها بالخيار إن شاء أحدث فيها بيعا وإن شاء تركه وهكذا إن قال اشتر لي متاعا ووصفه له أو متاعا أي متاع شئت وأنا أربحك فيه فكل هذا سواء يجوز البيع الاول ويكون هذا فيما أعطى من نفسه بالخيار))

”جب ایک شخص دوسرے کو کوئی چیز دکھا کر یہ کہے کہ یہ خرید لو میں آپ کو اتنے منافع دوں گا اس پر وہ شخص وہ چیز خرید لے تو یہ خریداری جائز ہوگی۔ تاہم جس نے یہ کہا تھا کہ میں اتنا نفع دے دوں گا اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو بیع کرے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ اور اسی طرح اگر یہ کہے کہ میرے لیے فلاں قسم کا سامان خرید لو یا یہ کہے کہ جو سامان تم چاہو وہ خرید لو میں آپ کو اس میں اتنا نفع دوں گا تو پہلی بیع جائز ہوگی اور آڈر دینے والے کو اختیار ہو گا۔“ [کتاب الام: ج ۳ ص ۳۹]

مزید لکھتے ہیں:

((وإن تباعا به على أن ألزما أنفسهما الامر الاول فهو مفسوخ من قبل شئنين أحدهما أنه تباعا به قبل يملكه البائع والثاني أنه على مخاطرة أنك إن اشتريته على كذا أربحك فيه كذا))

”اگر دونوں اس چیز کی اس طرح بیع کریں کہ وہ دونوں پہلے آڈر کو لازم سمجھیں تو یہ دو بیع سے فسخ ہوگی۔“

① دونوں نے چیز ملکیت میں آنے سے پہلے بیع کی ہے۔

② اس میں رسک ہے کیوں کہ اس نے کہا ہے کہ اگر آپ اتنے کی خرید لیں تو میں آپ کو اتنا نفع دوں گا۔“ [حوالہ مذکورہ]

نیز یہ بیع الکالی بالکالی کی قبیل سے ہے کیونکہ بینک نے سامان بعد میں دینا ہے۔ اور

کلائٹ نے قیمت بعد میں ادا کرنی ہے۔ شرعی طور پر یہ بھی ممنوع ہے۔
 ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَالِيِّ بِالْكَالِيِّ))
 ”بلاشبہ نبی ﷺ نے ادھار کے بدلے ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔“

[سنن دارقطنی: ۳۱۰۵]

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ ادھار کی ادھار کے بدلے بیع جائز نہیں۔ [نیل الاوطار: ج ۸ ص ۲۱۳]
 مالکی فقہاء نے مکروہ بیع کی ایک صورت یہ بھی ذکر کی ہے کہ آدمی کسی دوسرے سے یہ کہے کہ آپ کہ پاس فلاں فلاں چیز ہے جو آپ مجھے ادھار بیچ دیں وہ جواب دے کہ نہیں اس پر یہ کہے کہ یہ آپ خرید لیں میں آپ سے منافع پر ادھار خرید لوں گا اس پر وہ چیز خرید کر اپنے وعدے کے مطابق بیچ دے۔

[الموسوعة الفقهية الكويتية بحوالہ مواجب الجليل للحطاب البيان والتحصيل لابن رشد]

اسلامی بینک کاری کے ماہر ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

((فاذا لم يكن هناك خيار فانها لا تجوز لان المواعدة الملزمة في بيع المرابحة تشبه البيع نفسه حيث يشترط عندئذ ان يكون البائع مالكا للمبيع حتى لا تكون هناك مخالفة لنهي النبي ان يبيع الانسان ما ليس عنده فالمرابحة ظاهرها البيع وباطنها التمويل فانها لا تجوز))

”جب اختیار نہ ہو تو معاملہ جائز نہیں کیوں کہ بیع مرابحہ میں لازمی وعدہ نفس بیع کے مشابہہ ہے جب بیع میں یہ شرط ہے کہ فروخت کنندہ بیچ جانے والی چیز کا مالک ہو۔ تو نبی ﷺ کہ اس فرمان کہ ”جو انسان کے پاس نہیں وہ بیچنا منع ہے۔“ کی مخالفت نہ ہو۔ چنانچہ وعدہ غیر لازمی ہو تو مرابحہ جائز ہے لیکن جب مرابحہ کا ظاہری مطلب بیع ہو اور حقیقت میں فنانسگ تو یہ جائز نہیں۔“ [المصارف الاسلامية: ص ۳۳]

شیخ بکر بن عبداللہ ابوزید فرماتے ہیں:

((فكيف يجوز للمصرف ان يبيع ما لم يملك اصلاً ويصافق ويربح فيه فملكه تقديري لا حقيقي استيلاءه عليه تقديري لا حقيقي فالمنع من هذا يكون باب الاولى))

”بینک کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ وہ ایک ایسی چیز بیچے کہ جس کا وہ بالکل ہی مالک نہیں ہے وہ سودا حاصل کر کے نفع حاصل کرتا ہے حالانکہ وہ چیز اسکی تقدیری ملکیت میں ہے نہ کہ حقیقی۔ چنانچہ اس کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیے۔“

[فقہ التوازل: ج ۲ ص ۹۳]

اکثر ائمہ ریان لکھتے ہیں:

((هذا العقد تكتنفه مجموعة من المحاذير الفقهية التي من أهمها: ان الوعد من العميل بالشراء، وموافقة المصرف على ذلك؛ هو عقد حتى وان كتب في الاوراق انه وعد، لان العبرة بالمعاني وليست بالمباني كما يقول الفقهاء، وبما انه عقد فيشترط له توفر كافة شروط عقد البيع، واكثرها غير متوفرة فيه))

[فقہ البيوع المنهي عنها مع تطبيقاتها الحديثة في المصارف الاسلامية: ص ۴۴]

”اس عقد کو متعدد فقہی خرابیوں نے گھیرا ہوا ہے ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ کلائنٹ کی طرف سے خریداری کا وعدہ اور بینک کی اس پر موافقت عقد ہے۔ اگرچہ کاغذات میں اس کو وعدہ لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ فقہاء کے قول کے مطابق حقائق کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔ اور جب یہ عقد ہے تو اس میں عقد بیع کی تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے اور ان میں اکثر یہاں نہیں پائی جاتیں۔“

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اس میں منافع کے لیے شرح سود کو معیار بنانے سے یہ معاملہ مزید مشکوک ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینک کاری کے حامی بھی اس کو پسندیدہ قرار نہیں دیتے چنانچہ مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”اس میں کوئی شک نہیں کہ حلال منافع کے تعین کے لیے سود کی شرح کا استعمال پسندیدہ نہیں اور اس سے یہ معاملہ کم از کم ظاہری طور پر سودی قرض کے مشابہ بن جاتا ہے اور سود کی شدید حرمت کے پیش نظر اس ظاہری مشابہت سے بھی جہاں تک ہو سکے چننا چاہیے۔“

[اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص ۱۲۴]

مزید لکھتے ہیں:

”البتہ یہ بات درست ہے کہ اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کو جتنا جلدی ممکن ہو اس

طریقہ کار سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔ اس طرح کہ اول تو اس میں شرح سود کو حلال کاروبار کے لیے مثالی اور معیاری سمجھ لیا جاتا ہے جو کہ پسندیدہ بات نہیں دوسرے اس لیے کہ اس سے اسلامی معیشت کے بنیادی فلسفے کو فروغ نہیں ملتا۔ اس لیے کہ اس سے تقسیم دولت کے نظام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔“

[اسلامی بینک کاری کی بنیادیں: ص: ۱۲۵]

② اس معاملے کی دوسری صورت یہ ہے کہ وعدہ یک طرفہ ہو یعنی گاہک اپنے وعدے کا پابند ہو لیکن بینک آزاد ہو یہ صورت بھی درست نہیں کیوں کہ نبی ﷺ کے ارشاد البیعان بالخیار میں بیچنے والے خریدنے والے دونوں کو اختیار دیا گیا ہے ایک کو پابند اور دوسرے کو مستثنیٰ رکھنا اس تفریق کی کوئی اصل نہیں چنانچہ ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

((انسی اری ضرورۃ الخیار لکل المتواعدین اما الخیار لاحدهما فقط فهو

تحکم))

www.KitaboSunnat.com

میری رائے میں دونوں کو اختیار ضروری ہے فقط ایک کو اختیار سینہ زوری ہے۔

[تعلیق مصارف الاسلامیة: ص: ۲۲]

③ اس معاملے کی تیسری صورت یہ ہے کہ کلائنٹ اور بینک دونوں پابند نہ ہوں بنک کے چیز خریدنے کے بعد کلائنٹ کو بیع کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہو اس طرح بنک بھی اپنے فیصلے میں آزاد ہو تو یہ صورت جائز ہوگی لیکن جیسا کہ مولانا تقی عثمانی کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ شرح سود کو معیار بنانے کی وجہ سے یہ معاملہ سودی قرض کے مشابہ بن جاتا ہے اس لیے اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اس موقع پر ڈاکٹر محمد سلیمان اشقر کے فتویٰ کا ذکر بھی مفید رہے گا۔

((نظام البيع المرابحة كما تجر به بعض البنوك الاسلامية في الوقت

الرهن نظام غير جائز وهو تجايل على الرباء. او هو بيع السلعة من البنك

قبل امتلاكها و كلاهما ممنوع شرعاً والسنة النبوية تمنع هذا البيع وان

المذاهب الاربعة كلها تقول بانه ومحرم وخاصة مذهب المالكية الذي

ينص نصاً صريحاً على منعه والدين قالوا في مؤتمر البنك الاسلامي بدبي

بجواز غلطوا على الفقه الاسلامي غلطاً كبيراً وانه لا مستند لهم في ما

قالوا))

[بحوث فقہیہ فی قضایا اقتصادیہ معاصرہ: ج ۱ ص ۱۱۳، ۱۱۵]

”بیج مراجمہ کا نظام جس کو دور حاضر میں بعض اسلامی بنک جاری کیے ہوئے ہیں ناجائز ہے اور یہ سود کے حاصل کرنے کا حیلہ ہے یا یہ بنک کی طرف سے ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی اس کی ملکیت میں نہیں آئی اور دونوں شرعاً ممنوع ہیں اور سنت نبوی ﷺ اس بیع کی اجازت نہیں دیتی بلاشبہ مذہب اربعہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں خاص طور پر مالکیوں کا مذہب جس نے اس ممانعت کی واضح طور پر صراحت کی ہے اور جنھوں نے دوہنی میں اسلامی بینک کی کانفرنس میں اس کو جائز قرار دیا۔ انھوں نے فقہ اسلامی کے ذمے بہت بڑی غلطی لگائی اور ان کے پاس اپنی تائید میں کوئی دلیل نہیں ہے۔“

اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر:

اسلامی بینکوں کی طرف سے اس کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حقیقی بیع تب ہوتی ہے جب بینک مطلوبہ سامان خرید لیتا ہے اس سے پہلے صرف بیع کا وعدہ ہوتا ہے۔ لہذا اس سے اوپر بیان شدہ خرابیاں لازم نہیں آتیں۔ بیع اور وعدہ میں فرق ہے مثلاً بینک کی طرف سے مطلوبہ چیز خریدنے کے بعد اور کلائنٹ کے حوالے کرنے سے پہلے اگر وہ ضائع ہو جائے تو بینک کا نقصان ہوگا اسی طرح اگر بینک کی طرف سے خریداری کے بعد کلائنٹ انکار کر دے تو بینک اس کو کسی دوسرے شخص کو بیچ کر الگ لاگت سے جتنے پیسے کم ملیں گے وہ وعدہ کرنے والے سے وصول کرے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ باقاعدہ بیع نہیں ہے ورنہ نہ تو بینک نقصان کا ضامن ہوتا اور نہ ہی اس کو دوسری جگہ بیچنے کا اختیار۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو دو وجہ سے یہ دلیل انتہائی کمزور ہے۔

① ہم سچھے بیان کر آئے ہیں کہ لازمی وعدہ بیع ہی کی شکل ہے یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور مالکی فقہاء نے ”مراجمہ الامر بالشراء“ کی جس شکل میں اختیار نہ ہو ”کو ناجائز قرار دیا ہے“ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ فقہائے احناف کے سرخیل حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ ”آرڈر دینے والا خریدنے سے انکار نہ کرے“ کے لیے یہ حیلہ تجویز کیا ہے کہ جس کو آرڈر دیا گیا ہے وہ اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن بعد واپس کرنے کا اختیار ہے اگر آرڈر دینے والا اپنے وعدے کے مطابق خرید لے تو اس کے حوالے کر دے۔ اگر اس کو دلچسپی نہ ہو تو اس اختیار کی بناء پر واپس کر کے نقصان سے محفوظ رہے گا۔

[کتاب الحیل امام محمدیحوالہ بحوث فقہیہ فی قضایا اقتصادیہ معاصرہ: ج ۱ ص ۱۰۲، ۱۰۳]

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ فقہاء احناف کے ہاں مراہجہ میں وعدہ پورا کرنا قانونی ذمہ داری نہیں ورنہ اس حیلے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

باقی رہ گیا وہ فرق جو اسلامی بینکوں کی جانب سے بیان کیا جاتا ہے تو اس سے معاملے کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہے وہ یہ کہ فریقین وعدے کے مطابق بیع کرنے کے پابند ہیں۔

② اس دلیل کمزوری کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جن آئمہ نے ایفائے وعدہ کو فرض کہا ہے۔ وہ تبرعات کے بارہ میں ہے نہ کہ معاوضات میں۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مشتری چیز خرید کر بل بینک کے حوالے کرتا ہے بینک کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اس میں درج رقم ادا کر کے اس پر نفع وصول کرے۔ اس کو مراہجہ کا نام دے دیا جاتا ہے حالانکہ اس کا مراہجہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ سراسر سودی حیلہ ہے۔

یہی وجہ کہ بیع مراہجہ کی بنیاد پر بینکاری کا نظریہ دم توڑ رہا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

((وتجدد الاشارة الى ان نجم بيع المرابحة للامر بالشرء عند الافراد والعلماء والهيئات والمجامع آخذ في الاخمال بل ان بعض العلماء كالشيخ مصطفى الزرقاء قد غير رأية تغيراً جذرياً كما اعلن ذلك يوم الخميس))

[۹۱۷-۱۴۱۴ھ فی ندوة البركة، ص: ۳۳]

”یہاں اس بات کی طرف اشارہ بھی مناسب رہے گا کہ ماہرین علماء اور مختلف کونسلوں اور اکیڈمیوں کے نزدیک خریداری کا آرڈر دینے والے کیساتھ بیع مراہجہ کا معاملہ کرنے کا ستارہ ڈوب رہا ہے۔ بلکہ بعض علماء نے جیسا کہ شیخ محمد مصطفیٰ زرقاء ہیں کلیتاً اپنی رائے کو تبدیل کر لیا ہے جیسا کہ انہوں نے ۱۴۱۳ھ-۰۹-۰۷ بروز جمعرات برکہ سیمینار میں اعلان کیا۔“

اجارہ ملغیہ بالتملیک:

یہ بھی اسلامی بینکوں میں فنانسنگ کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اجارہ کی یہ صورت اسلامی بینکاری کی ایجاد کردہ ہے۔ ہمارے واجب الاحترام محدثین و فقہاء اس سے واقف نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتب میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ لہذا ہم بھی اس کے احکام جاننے کے لیے اسلامی بینکوں کی

رہنمائی کے لیے مرتب کردہ شریعہ سینڈرز پر ہی اعتماد کریں گے۔ چنانچہ شریعہ سینڈرز کے سکارلز نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔

((ہی اجارۃ یقترن بها الوعد بتملیک العین المُوَجَّرۃ الی المستأجر فی
نہایۃ مدۃ الاجارۃ اوفی اثنائہا))

”ایسا اجارہ جس میں یہ وعدہ شامل ہو کہ مدت اجارہ کے آخر میں یا اس کے دوران ہی کرائے
پردی گئی چیز کی ملکیت کرایہ دار کی طرف منتقل کی دی جائے گی۔“

[المعايير الشرعية: ص ۱۵۳]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہا لکھتے ہیں:

((ہی تملیک منفعة بعض الاعیان کالدور و المعدات مدۃ معینۃ من
الزمن باجرۃ معلومۃ تزیید عادیۃ عن اجرۃ المثل و علی ان یملک المُوَجَّر
العین المُوَجَّرۃ للمستأجر بناء علی وعد سابق بتملیکها فی نہایۃ المدۃ او
فی اثنائہا بعد سداد جمیع مستحقات الاجرۃ او اقساطها و ذلک بعقد
جدید))

”اجارہ منہیہ بالتملیک کا مطلب ہے کہ متعین وقت کے لیے طے شدہ کرائے جو عام طور پر
اس طرح کی دوسری چیزوں کے کرائے سے زیادہ ہوتا ہے کے بدلے کسی چیز جیسے گھریا
سامان کے فائدے کا دوسرے کو مالک بنا دینا اس شرط پر کہ کرایہ کی تمام قسطیں ادا کرنے کے
بعد مدت کرایہ کے اختتام پر یا اس کے دوران ہی مالک سابق وعدے کی بنیاد پر ایک نئے عقد
کے ذریعے اس چیز کی ملکیت کرایہ دار کی طرف منتقل کر دے گا۔“

[المعاملات المالية المعاصرة: ص ۳۹۴]

شرعی اجارہ اس سے مختلف ہے۔ اسلامی بینکاری کے حامی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ
شریعت نے اجارہ کا جو تصور دیا ہے وہ اس سے مختلف ہے چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہا لکھتے
ہیں: ”اجارہ منہیہ بالتملیک عام اجارہ سے دو لحاظ سے مختلف ہے:

- ① اجارہ منہیہ بالتملیک دو مستقل عقود پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلا عقد اجارہ جو طے شدہ مدت
تک جاری رہتا ہے دوسرا مدت کے اختتام یا دوران مدت اس چیز کو مالک بنانے کا عقد۔
- ② اجارہ منہیہ بالتملیک بینک کرائے پر دی جانے والی چیز کلائنٹ کی درخواست کے بعد

خریدتا ہے اکثر اس کا کرایہ عام کرایہ سے زیادہ ہوتا ہے جبکہ عام اجارہ میں وہ چیز پہلے سے موجد کے پاس موجود ہوتی ہے۔

[المعاملات المالیه المعاصره از وہبہ زحلی: ص ۳۹۵]

اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ اور سودی بینکوں میں رائج ہائر پر چیز میں فرق:

اسلامی بینکوں کے نقطہ نظر کے مطابق دونوں میں فرق اس طرح ہے کہ ہائر پر چیز میں بیع اور اجارہ دونوں عقد بیک وقت شروع ہوتے ہیں آخری قسط کی ادائیگی پر مستقل عقد کیے بغیر ہی چیز کی ملکیت مستاجر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جبکہ اجارہ منہیہ بالتملیک میں مدت اجارہ کے ختم ہونے تک اجارہ کے احکام نافذ ہوتے ہیں اسکے بعد ملکیت مستاجر کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ [المعايير الشرعية: ۱۳۶]

اسی طرح اجارہ منہیہ بالتملیک اور بیع قسط میں بھی فرق ہے۔ بیع قسط میں عقد شروع میں ہی مکمل ہو جاتا ہے صرف قیمت قسطوں کی صورت میں ادا کی جاتی ہے جبکہ مذکورہ بالا اجارہ میں دو عقد ہوتے ہیں پہلے عقد اجارہ کی مدت پوری ہونے کے بعد ایک نیا عقد بیع۔ [المعاملات المالیه المعاصره از ڈاکٹر وہبہ زحلی: ۳۹۵، ۳۹۶]

ملکیت منتقل ہونے کے طریقے:

المعايير الشرعية میں اس کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں۔

① رسمی یا حقیقی قیمت کے بدلے بیع کا وعدہ ہو یا مدت اجارہ کے دوران ہی باقی مدت کے کرائے کے بدلے یا مارکیٹ ریٹ کے مطابق بیع کا وعدہ ہو۔

② ہبہ کا وعدہ ہو۔

③ ہبہ کا عقد ہو جو تمام اقساط کی ادائیگی کی شرط پر معلق ہو۔ [ص ۱۳۱] البتہ یہ فیصلہ کرنا شروع میں ضروری ہے کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائیگا۔ المعايير الشرعية میں یہ بھی صراحت ہے کہ یہ وعدہ موجد (بینک) کی طرف سے ہوگا۔ مزید لکھا ہے کہ یہ وعدہ ایک طرفہ ہوگا اور موجد (بینک) پر اس کی پابندی لازم ہوگی۔ [ص ۱۳۲]

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بینک جس پر چیز پر اجارہ کرتا ہے وہ پہلے سے بینک کے پاس موجود نہیں ہوتی بلکہ وہ کلائنٹ کی درخواست پر خریدتا ہے۔ اس میں یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ بینک جب وہ چیز خرید لے تو وہ لینے سے انکار کر دے ظاہر ہے اس صورت میں بینک کے

لیے یہ خسارے کا سودا ہوگا۔ اسلامی بینکوں نے اس خطرے کا یہ حل نکالا ہے کہ وہ کلائنٹ سے متعلقہ چیز کی قیمت کا دس فیصد پہلے وصول کر لیے ہیں اسکو ”ضمان جدید“ کہتے ہیں۔ تاکہ اگر کلائنٹ بینک کی خریداری کے بعد اپنی بات پر قائم نہ رہ سکے تو بینک کا نقصان نہ ہو اس صورت میں بینک اس کا معاملہ کسی دوسرے کے ساتھ کرے گا اور جتنا نقصان ہوگا وہ ضمان جدید سے پورا کرے گا۔ اگر ضمان جدید کی رقم نقصان کی تلافی کیلئے ناکافی ہو تو وہ کلائنٹ سے مزید مطالبہ بھی کر سکتا ہے کیونکہ بینک کو یہ نقصان اس کی وجہ سے ہوا ہے اگر ضمان جدید سے نقصان پورا کرنے کے بعد کچھ رقم بچ جائے تو وہ کلائنٹ کی ہوگی۔ شرعی اجارہ میں یہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں وہ چیز مالک نے کسی کی درخواست کے بغیر خود خریدی ہوتی ہے اس میں یہ بھی امکان ہوتا ہے کہ کوئی کرایہ پر لینے کے لیے آجائے یا نہ آئے۔ اس سے بھی ہمارے اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ اسلامی بینک نان رسک ادارہ ہے۔

ضمان جدید کا حکم:

المعايير الشرعية کے نقطہ نظر کے مطابق یہ رقم یا تو بینک کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی امانت تصور ہوگی۔ بینک اس میں تصرف کا مجاز نہیں ہوگا یا اسکی حیثیت اس امانت کی ہوگی جو سرمایہ کاری کے لیے دی جاتی ہے یعنی کلائنٹ بینک کو اجازت دے گا کہ وہ اس رقم سے مضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کرے اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ جب اجارہ کا باقاعدہ عقد ہو اس وقت یہ طے کر لیا جائے کہ رقم اجرت کی فسطوں میں شمار ہوگی۔ [ص ۱۳۳]

اگر چیز تباہ ہو جائے یا قابل استعمال نہ رہے؟

اس بارے میں شریعہ شیئڈ رٹز کا موقف بڑا واضح ہے کہ اگر اس میں مستاجر کا عمل دخل نہ ہو تو دونوں حالتوں میں اجرت مثل (مارکیٹ کرایہ) کی طرف لوٹا جائے گا۔ اور عقد میں طے شدہ کرایہ کے مطابق بینک نے اجرت مثل سے جتنا زیادہ لیا ہوگا وہ مستاجر کو واپس کرنے کا پابند ہوگا۔ [ص ۱۳۲]

اجارہ منتہیہ بالتملیک کا شرعی حکم:

ڈاکٹر احمد ریان اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کی مراد صورتحال میں پائی جانے والی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- ① اس میں بیع کا عقد معلق ہوتا ہے یہ ایسی خرابی ہے جس کی ممانعت پر تمام فقہاء متفق ہیں۔
- ② عقد میں شرط پائی جاتی ہے بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی ممنوع ہے۔

③ یہ معاملہ ایک عقد میں دو عقدوں پر مشتمل ہوتا ہے یہ ایک بیع میں دو بیعوں کی ممانعت میں داخل ہے۔

[فقہ البيوع المنهي عنها مع تطبيقاتها الحديثة في المصارف الإسلامية]

علاوہ ازیں اس میں حسب ذیل خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں:

① جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عقد اجارہ کے وقت ہی بینک یہ وعدہ کرتا ہے کہ مدت اجارہ ختم ہونے پر کسی یا حقیقی قیمت کے عوض یا مدت اجارہ کے دوران ہی باقی قسطوں کے بدلے یا بازاری قیمت پر یہ چیز مستاجر کی ملکیت میں دے دے گا۔ ڈاکٹر محمد زحلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((اما ان كان الوعد ملزما فيدخل في معاملات محرمة شرعا وهي بيع

ملا يملك والبيع قبل القبض بل قبل الشراء))

”اگر وعدہ لازمی ہو تو یہ شرعی طور پر حرام معاملات میں داخل ہو جائے گا۔ وہ ہیں غیر ملکیتی چیز اور قبضہ سے پہلے بلکہ خریدنے سے پہلے ہی بیع کا معاملہ۔“

[المصارف الإسلامية: ص ۷۷، ۷۸]

یاد رہے کہ وعدہ ہوتا ہے یا تمام اقساط کی ادائیگی سے مشروط ہبہ کا عقد ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو وہ غرر سے خالی نہیں۔ کیونکہ ایسا وعدہ بیع جس کی پابندی لازم ہو عملاً بین ہی ہے۔ اسلامی بینکنگ کے حامیوں کا یہ کہنا کہ یہ یکطرفہ وعدہ ہے جس میں ایک فریق کو اختیار ہے تو بقول ڈاکٹر رفیق یونس مصری کے صرف ایک کو اختیار دینا سینہ زوری ہے۔ جب یہ بیع ہی ہے تو عقد بیع کے وقت قیمت مجہول ہوتی ہے کیا علم کہ پانچ سال بعد حقیقی قیمت کیا ہوگی یا کسی قیمت کیا مقرر ہوگی اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ مستاجر مکمل قسطیں ادا نہ کر سکے کی وجہ سے اس کے ملکیتی حقوق حاصل نہ کر سکے۔ اس کو ہبہ کا عقد کہنا بھی درست نہیں کیونکہ مستقبل کی شرط پر معلق ہبہ درست نہیں ہوتا جیسا کہ شیخ صالح بن فوزان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((ولا تصح الهبة المعلقة على شرط مستقبل كان يقول اذا حصل كذا فقد

وهبتك كذا))

”مستقبل کی شرط پر معلق ہبہ صحیح نہیں ہے۔ جیسے یہ کہے کہ جب اس قسم کی چیز حاصل ہوگی تو

میں فلاں چیز آپ کو ہبہ کر دوں گا۔“ [الملخص الفقہی: ص ۲، ۱۱۵]

ایسے ہی اسکو بہہ کا کا وعدہ کہنا بھی درست نہیں کیوں کہ اس صورت میں یہ ایسا بہہ ہوگا کہ مارکیٹ ریٹ سے زیادہ کرایہ وصول کرنے کی صورت میں جس کا بدلہ لیا جانا ہے۔ اس قسم کا بہہ بھی بیع ہی کے حکم میں ہوتا ہے سوائے اس کے کہ اس میں معاوضہ اور اس کی مقدار طے نہیں ہوتی۔

② اس کی عملی تطبیق میں بھی گڑبڑ ہوتی ہے۔ وہ یوں کہ بینک اس مدت کا کرایہ بھی قسطوں میں ایڈجسٹ کرتا ہے جس میں گاڑی تو کلائنٹ کو نہیں ملی ہوتی لیکن بینک بینگ کے لیے رقم جمع کروا چکا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے اسلامی بینکاری کے سکار جناب محمد ایوب کے حوالے سے لکھ آئے ہیں۔

③ اس میں شریعہ شینڈرڈز کے احکام کی بھی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔

(۱) شریعہ شینڈرڈز کے مطابق بیع کا وعدہ بینک کی جانب سے ہونا چاہیے جبکہ اسلامی بینک کلائنٹ سے وعدہ لیتے ہیں۔

(۲) شریعہ شینڈرڈز کے مطابق بینک ضمانت جدید سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے برعکس اسلامی بینک کرنٹ اکاؤنٹ کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی رپورٹیں ہیں کہ بعض اسلامی بینک ضمانت جدید کو اسٹیٹ بینک کے پاس ریزرو کیش ریکوئرمینٹ کے طور پر بھی جمع کرواتے ہیں۔

(۳) شریعہ شینڈرڈز کی رائے میں اجارہ پردی ہوئی چیز اگر تباہ ہو جائے یا وہ باقی ماندہ مدت کے لیے قابل استعمال نہ رہے بشرطیکہ اس میں متاجر کا عمل دخل نہ ہو تو بازاری قیمت سے زائد لیا ہو کرایہ متاجر کو واپس کیا جانا چاہیے لیکن اسلامی بینکوں میں اس پر عمل نہیں ہوتا بلکہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ انشورنس یا تکافل کمپنی سے جو رقم ملتی ہے اس میں سے پہلے اپنی باقی ماندہ رقم پوری کرتے ہیں۔ اگر کچھ بچ جائے تو متاجر کو دیتے ہیں ورنہ اللہ اللہ خیر سلا۔ اسلامی بینکوں کا یہ عمل انکے اپنے ہی شریعہ شینڈرڈز کے خلاف ہے۔

مشارکہ مناقصہ:

اسلامی بینکوں میں اس پر بھی بکثرت عمل ہوتا ہے اس کو زیادہ تر ہاؤس فنانسنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اجارہ منہیہ بالتملیک کی طرح یہ اصطلاح بھی اسلامی بینکاری نے ہی متعارف کروائی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا سب سے پہلے استعمال مصر میں شروع ہوا۔ [المعاملات المالیه المعاصره از دکتور محمد عثمان شیبیر: ص ۳۳۹]

ظاہر ہے جب ذخیرہ حدیث وفقہ میں اس اصطلاح کا ذکر ہی نہیں تو ہمیں اسکی حقیقت جاننے کے لیے اسلامی بینکنگ کے ماہرین کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا۔ چنانچہ المعایر الشرعیہ میں اسکی تعریف یوں بیان ہوئی ہے۔

((المشاركة المتناقصة عبارة من شركة يتعهد فيها احد الشركاء بشراء

حصصة الآخر تدريجاً الى ان يملك المشتري المشروع بكامله))

”مشارکہ متناقصہ ایسی شرکت سے عبارت ہے جس میں ایک شریک یہ عہد کرتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ دوسرے شریک کا حصہ خرید لے گا یہاں تک کہ مشتری پورے منصوبے کا مالک ہو جائے۔“ [ص ۲۰۶]

اسکی عملی تطبیق کیا ہوتی ہے؟ یہ سمجھنے کے لیے ہم جناب مولانا تقی عثمانی صاحب کی کتاب ”اسلامی بینکاری کی بنیادیں“ سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”مشارکہ کی ایک اور شکل جسے ماضی قریب میں ترقی دی گئی ہے ”مشارکہ متناقصہ“ ہے۔ اس تصور کے مطابق ایک تمویل کار اور اس کا عمیل کسی جائیداد، سامان یا کاروباری ادارے کی مشترکہ ملکیت حاصل کرتے ہیں۔ تمویل کار کا حصہ کئی یونٹس میں تقسیم کر لیا جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عمیل تمویل کار کے حصے کے کئی یونٹس ایک ایک کر کے کچھ وقتوں کے بعد خرید لے گا جسکے نتیجے میں اس کا حصہ کم ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کے تمام یونٹس عمیل خرید لے گا اور جائیداد یا کاروباری ادارے کا تہا مالک بن جائے گا۔

شرکت متناقصہ کے اس تصور کو مختلف معاملوں میں مختلف طریقوں سے اختیار کیا جاتا ہے۔ چند نمونے ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

اسے عام طور پر ہاؤس فنانسنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عمیل ایک گھر خریدنا چاہتا ہے جس کے لیے اس کے پاس کافی رقم موجود نہیں ہے۔ یہ ایک تمویل کار کے پاس جاتا ہے جو اس کے ساتھ مل کر ایک گھر خریدنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ قیمت کا تیس فیصد عمیل ادا کرتا ہے اور اسی فیصد تمویل کار، لہذا گھر کے اسی فیصد حصے کا مالک تمویل کار ہے اور تیس فیصد کا عمیل، جائیداد کو مشترکہ خریدنے کے بعد عمیل گھر کو اپنی رہائشی ضرورتوں کے لیے استعمال کرتا ہے اور تمویل کار کو جائیداد میں اس کا حصہ استعمال کرنے کی وجہ سے کرایہ ادا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عمیل کار کے حصے کو آٹھ برابر یونٹس میں تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ ہر یونٹ گھر کے دس

فیصد ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ (کیونکہ اس کی کل ملکیت اسی فیصد تھی) عمیل، تمویل کار سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہر تین ماہ بعد ایک یونٹ خریدے گا۔ چنانچہ تین ماہ کی پہلی مدت پوری ہونے پر وہ گھر کی قیمت کا دس فیصد حصہ ادا کر کے ایک یونٹ خرید لیتا ہے۔ اس سے تمویل کار کا ایک حصہ اسی فیصد سے کم ہو کر سترہ فیصد ہو جائے گا۔ تمویل کار کا ادا کیا جانے والا کرایہ بھی اس قدر کم ہو جائے گا۔ دوسری مدت کے پورا ہونے کے بعد ایک اور یونٹ خریدے گا جس سے جائیداد میں اس کا حصہ بڑھ کر چالیس فیصد ہو جائیگا اور تمویل کار کا کم ہو کر ساٹھ فیصد رہ جائے گا اور اسی تناسب سے کرایہ بھی کم ہو جائے گا۔ یہ ترتیب اسی طریقے سے چلتی رہے گی یہاں تک کہ دو سال کے اختتام پر عمیل تمویل کار کا سارا حصہ خرید لے گا جس سے اس کا حصہ ”صفر“ رہ جائے گا۔ اور عمیل کا حصہ سو فیصد ہو جائیگا۔

یہ طریقہ کار تمویل کار کو یہ اجازت دیتا ہے کہ جائیداد میں اپنی ملکیت کے تناسب سے کرایہ کا دعویٰ کرے اور اسی کے ساتھ اپنے حصے کے یونٹس کی بیچ کے ذریعے سے اپنا اصل سرمایہ وقت و وقت سے واپس حاصل کرے۔“

[ص: ۸۵، ۸۶، ۸۷]

یہ اقتباس ہے تو طویل مگر اس سے مشارکہ متاقصہ کی عملی صورت پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس اقتباس میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل تشریح ہو۔
مشارکہ متاقصہ شرکت کی کس قسم میں داخل ہے:

المعايير الشرعية کے مطابق شرکت کی یہ جدید قسم شرکت العنان کی ذیلی شاخ ہے۔ لہذا اس پر وہ تمام احکام نافذ ہوں گے جو عام شرکت پر ہوتے ہیں۔ خصوصاً شرکت العنان کے۔ علامہ وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو شرکت العنان ہی قرار دیا ہے۔

[المعاملات المالیه المعاصره: ص ۴۳۶]

شرکت العنان کیا ہے؟

شرکت کی بنیادی قسمیں دو ہیں:

①..... شرکت الملاک ②..... شرکت عتقود

شرکت الملاک کسی چیز کے استحقاق میں شراکت کا نام ہے جیسے کسی اثاثے، کارخانے یا گاڑی وغیرہ کی ملکیت میں اشتراک۔ جبکہ تصرف میں اشتراک کو شرکت عتقود کہا جاتا ہے۔ جیسے

خرید و فروخت میں اشتراک، یہ اشتراک یا تو مال و عمل دونوں میں ہوگا یا صرف عمل میں۔ اسکی پانچ قسمیں ہیں۔

اگر مال و عمل دونوں میں شراکت ہو تو اس کو شرکہ عنان کہا جاتا ہے۔

[الملخص الفقہی: ۲ ص ۶۸]

چونکہ ہمارے زیر بحث یہی قسم ہے اس لیے ہم صرف اسی کے متعلق گفتگو کریں گے۔ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

((ان يشترك رجلان بماليهما على ان يعملما فيهما بابدانهما والربح بيهما))

”دو شخص اپنے مال کے ساتھ اس شرط پر اشتراک کریں کہ دونوں جسمانی محنت کریں گے اور نفع ان دونوں میں تقسیم ہوگا۔ [المغنی: ۷ ص ۱۲۳]

شیخ صالح بن فوزان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فحقيقة شركة العنان ان يشترك شخصان فاکثر بماليهما بحيث يصيران مالا واحدا يعملان فيه بيديهما او يعمل فيه احدهما ويكون له الربح اكثر من نصيب الآخر))

”شرکہ عنان کی حقیقت یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ افراد اپنے مالوں کے ساتھ شراکت داری کریں اس طرح کہ دونوں کا مال ایک ہی بن جائے۔ دونوں اس میں جسمانی محنت کریں یا ان میں سے صرف ایک کرے (دوسری صورت میں) کام کرنے والے کے نفع کا حصہ دوسرے سے زیادہ ہوگا۔“ [الملخص الفقہی: ۲ ص ۷۱]

المعلیبر الشرعیہ میں ہے:

”شرکہ عنان اس چیز کا نام ہے کہ دو یا دو سے زیادہ متعین مال کے ساتھ شراکت داری کریں اس طرح دونوں میں سے ہر ایک کو شراکت کے مال میں تصرف کا حق ہو اور نفع ان دونوں کے درمیان طے شدہ اصول کے مطابق تقسیم ہوگا اور خسارہ اپنے اپنے حصے کے مطابق برداشت کریں گے۔“ [ص ۱۹۵]

ان عبارتوں سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ شرکہ العنان میں فریقین کا مقصد چیز کو فروخت کر کے نفع کماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرکہ العنان کی شرطوں میں ایک شرط یہ ہے کہ نفع

میں فریقین میں سے ہر ایک کا حصہ طے ہو۔ دیکھیے نیل المآرب بشرح دلیل الطالب: ص ۱۹۳، الملخص الفقہی: ص ۷۰۔

لیکن جب ہم بینکوں میں رائج مشارکہ متناقصہ کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ چیز نظر نہیں آتی یہاں نہ تو نفع کا تناسب طے ہوتا ہے اور نہ ہی کلائٹ کا مقصد اسکو فروخت کر کے نفع کمانا بلکہ وہ تو اپنی رہائش کے لیے یہ معاملہ کرتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ مشارکہ متناقصہ شرکہ عنان میں داخل نہیں ہے۔

مشارکہ متناقصہ میں بینک اپنے حصے کے یونٹ کس قیمت پر بیچے گا:

یہاں چار صورتیں ہی ممکن ہیں:

① بینک نے جتنی رقم لگائی ہے اس سے زیادہ کے بدلے بیچے۔

② اتنے ہی کا بیچے۔

③ اس سے کم پر بیچے۔

④ بازاری قیمت کے مطابق فروخت کرے۔

تیسری صورت ممکن نہیں کیونکہ اس میں بینک راضی نہیں ہوگا۔ باقی تین صورتیں شرعاً جائز نہیں۔ پہلی صورت اس لیے کہ اس میں گویا بینک نے ضمانت لی ہے کہ اس کار اس المال مع نفع اسے لوٹایا جائیگا۔ یہ شراکت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ شرکت کی تو بنیاد ہی اس پر ہے کہ نفع اور نقصان میں دونوں شریک ہوں گے گویا یہ حصول سود کا ایک حیلہ ہے۔ دوسری صورت (یعنی اتنے ہی کا بیچے) کو خود اسلامی بینکنگ کے ماہرین ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ العلیر الشرعیہ میں ہے:

((ولا يجوز اشتراط البيع بالقيمة الاسمية))

”نامیئل قیمت پر بیچ کی شرط لگانا جائز نہیں“ [ص ۲۰۷]

دوسری جگہ ہے:

((ولا يجوز الوعد بالشراء بالقيمة الاسمية))

”قیمت اسمیہ پر خریدنے کا وعدہ کرنا ناجائز ہے“ [ص ۱۹۹]

آخری صورت اس لیے جائز نہیں کہ اس میں غرر پایا جاتا ہے کیونکہ کلائٹ کی طرف سے خریدنے کا وعدہ لازمی ہوتا ہے جس سے وہ منحرف نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ

بیع میں لازمی وعدہ بیع ہی کی ایک شکل ہے۔ جب بیع اس شرط پر ہو کہ مستقبل میں جو بازاری قیمت ہو گی اس پر میں خرید لوں گا تو اس میں غرر واضح ہے۔
بینک اپنا حصہ کس قیمت پر فروخت کرتا ہے:

اس تحقیق کی غرض سے جب ہم نے اسلامی بینکاری کے ریسرچ۔ کالر جناب محمد ایوب جو اسٹیٹ بینک شعبہ اسلامی بینکاری کے اسسٹنٹ رہے ہیں اور انہوں نے اس موضوع پر انگریزی میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جو لندن سے شائع ہو چکی ہے، سے پوچھا تو ان کے بقول بینک اپنے یونٹس نامیٹل قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ کیونکہ بینک کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کو مختلف یونٹس میں تقسیم کر لیتا ہے۔ مثلاً اگر بینک نے دس لاکھ روپیہ لگایا ہے تو وہ اس کو پچاس پچاس ہزار کے بیس یونٹس میں تقسیم کرے گا۔ جو کلائنٹ نے وقفے سے اتنی ہی قیمت میں خریدنے ہوتے ہیں۔ ہمارے اس سوال پر کہ یہ تو شریعہ شینڈرز کے مطابق جائز نہیں، انہوں نے کہا کہ شریعہ شینڈرز مشارکہ متناقصہ کو شرکت العنان جو کہ شرکت عقد کی قسم ہے کے تناظر میں دیکھتا ہے جبکہ اسلامی بینک اس کو شرکت ملک میں شمار کرتے ہیں۔ شرکت عقد میں تو قیمت اسمیہ پر فروخت کرنے کا معاہدہ نہیں ہو سکتا البتہ شرکت ملک میں جائز ہے۔ لیکن یہ رائے دو وجہ سے درست نہیں۔

① بقول ڈاکٹر رفیق یونس مشارکہ متناقصہ میں بینک کی غرض شراکت داری نہیں ہوتی نہ ہی اس کے پیش نظر بیع اور اجارہ ہوتا ہے بلکہ اصل مقصد تمویل ہے۔ اس میں بیع اور اجارہ کو گھسیٹنے کا مقصد تو صرف تمویل کے ذریعے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے ان کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں۔

② شرکت ملک میں کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ ضرور اس کا حصہ خریدے جبکہ یہاں شروع ہی میں یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ کلائنٹ بینک کا حصہ خریدنے کا پابند ہوگا۔ ڈاکٹر رفیق یونس مصری بینکوں میں رائج مشارکہ متناقصہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

((ولا شك ان المشروعية تكون حيث يكون الوعد غير ملزم والتناقص بالقيمة السوقية، والتنازل عن الملكية تدريجياً مع كل قسط..... وقل من يفعل ذلك كله من المصارف الإسلامية، سبب ذلك ان هذه العملية ظاهرها المشاركة وحقيقتها التمويل المصرفي))

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تب جائز ہو سکتا ہے جب وعدہ لازمی نہ ہو اور بازاری قیمت پر

فروخت ہو اور بینک اپنی ملکیت سے ہر قسط سے تدریجاً دست کش ہو۔ شاذ و نادر ہی کوئی اسلامی بینک ایسا ہوگا جو یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہو۔ اس کا سبب یہ ہے بظاہر یہ کارروائی مشارکہ اور حقیقت میں بینکنگ فنانسنگ ہے۔

[المصارف الاسلامیہ: ص ۴۲]

تورق:

مروجہ اسلامی بینکوں میں تمویل کا چوتھا ذریعہ تورق ہے۔ اس کا مطلب ایسی بیع ہے جس کا مقصد چیز کو ذاتی استعمال میں لانا یا نفع کمانا نہیں بلکہ محض نقدی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو نقدی کی ضرورت ہے تو وہ کوئی چیز ادھار زیادہ قیمت پر خرید کر نقد کم پر فروخت کر دے۔ اس میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ چیز کسی تیسرے شخص کو فروخت کرے نہ کہ اسی کو جس سے خریدی ہے۔ چنانچہ الموسوعۃ الفقیہیہ لکویتجیہ میں بیع تورق کا اصطلاحی معنیوں لکھا ہے:

((والتورق فی الاصطلاح ان یشتری سلعة نسیئة ثم یبیعها نقدا

بغیر البائع باقل مما اشتراها به لیحصل بذلك علی النقد))

”اصطلاح میں تورق کا معنی ہے کہ آدمی کوئی چیز ادھار خریدے پھر بیچنے والے کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس قیمت خرید سے کم قیمت پر فروخت کر دے تاکہ اس طریقہ سے نقد رقم حاصل کر سکے۔“

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ولو كان مقصود المشتري الدرهم وابتاع السلعة الى اجل لیبیعها ویاخذ

ثمنها فهذا یسمى التورق))

”اگر خریدار کا مقصد درہم ہو اور وہ ادھار سودا خریدے تاکہ اسے بیچ کر پیسے حاصل کر سکے تو

اسے تورق کہتے ہیں۔“ [مجموعہ فتاویٰ: ص ۲۹ ص ۳۰]

دوسری جگہ بیع عینہ اور تورق میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((واما الذی لم یعد الی البائع بحال بل باعها المشتري من مکان آخر لجاره

فهذا یسمى التورق))

”جب چیز کسی بھی حالت میں بائع کی طرف نہ لوٹے بلکہ مشتری اس کو دوسری جگہ فروخت کر دے

تو اسکو تورق کہا جاتا ہے۔ [مجموعہ فتاویٰ: ۳۹ ص ۳۳]

تورق اور بیع عینہ میں فرق:

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فهذا المضطر ان اعاد السلعة الي بائعها فهي العينة وان باعها لغيره فهو

التورق))

”مجبور شخص اگر چیز کو بیچنے والے کے پاس فروخت کرے تو اسکو عینہ کہتے ہیں اگر وہی چیز کسی

دوسرے کے پاس فروخت کرے تو اس کو تورق کہتے ہیں۔“

[اعلام الموقعین: ج ۳ ص ۹۹۹]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

((فَأَحْمَدُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَشَارَ إِلَى أَنَّ الْعَيْنَةَ إِنَّمَا تَقَعُ مِنْ رَجُلٍ

مُضْطَرٍّ إِلَى تَقْدِيرِ أَنَّ الْمُؤَسَّرَ يَضُنُّ عَلَيْهِ بِالْقَرْضِ فَيَضْطَرُّ إِلَى أَنْ يَشْتَرِيَ مِنْهُ

سَلْعَةً ثُمَّ يَبِيعُهَا فَإِنْ اشْتَرَاهَا مِنْهُ بِأَيْعَانِهَا كَانَتْ عَيْنَةً وَإِنْ بَاعَهَا مِنْ غَيْرِهِ فَهِيَ

التَّورُقُ))

”امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بیع عینہ کا معاملہ اس شخص سے ہوتا ہے جو نقدی

کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ خوشحال شخص اسکو قرض دینے میں بخل سے کام لیتا ہے تو وہ اس پر مجبور ہو

جاتا ہے کہ اس سے کوئی چیز خرید کر پھر اس کو بیچ دے۔ اگر اس چیز کو وہ بیچنے والا ہی خریدے

تو یہ بیع عینہ ہوتی ہے اور اگر وہ کسی دوسرے کے پاس بیچے تو اس کو تورق کہتے ہیں۔“ [تہذیب

السنن: ج ۵ ص ۱۰۸]

قطر کے معروف عالم ڈاکٹر علی احمد سالوس رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((والتورق بهذا المعنى هو العينة عند الائمة الاربعة ومن جاء بعدهم ببضعة

قرون ولعل شيخ الاسلام بن تيممة هو اول من ذكر هذا التورق ثم جاء اقوال

العنابلة من بعده))

”ائمہ اربعہ اور ان کے بعد کئی صدیوں تک جو آئے ان کے نزدیک اس معانی میں تورق بیع

عینہ ہی ہے۔ شاید شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے اس تورق کا ذکر کیا

پھر ان کے بعد فقہاء حنابلہ کے اقوال میں اس کا تذکرہ آیا ہے۔“

[موسوعة الفضايا الفقهية المعاصرة: ص ۸۹۸]

الموسوعة الفقيهیہ کے مطابق اس اصطلاح کا ذکر صرف فقہاء حنابلہ کے ہاں ملتا ہے دوسرے فقہاء اسکو بیع عینہ کے تحت زیر بحث لاتے ہیں۔

((یذکر الفقہاء التورق فی بحث بیع العینة والبیوع المنہی عنها والربا))

”فقہاء بیع تورق کو بیع عینہ ممنوعہ بیوع اور سود کی بحث میں ذکر کرتے ہیں۔“

تورق کا شرعی حکم:

اس کے شرعی حکم میں تین رائیں ہیں:

① سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہ جائز ہے۔

② شیخ عثیمین رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اگر انسان کو رقم کی ضرورت ہو اور یہ جائز طریقہ سے ممکن نہ ہو

اور عقد میں سود کی مشابہت نہ پائی جائے اور آدمی چیز کو قبضے کے بعد ہی فروخت کرے تو اس کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔ [رسائل فقیہیہ: ص ۱۰۷]

③ یہ کسی بھی صورت جائز نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ایک روایت

کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو مکروہ کہا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں:

((التورق اخیة الربا ای اصل الربا وهذا القول اقوی))

”تورق ربا کی بڑ ہے یعنی ربا میں ملوث کرنے کا باعث ہے یہ قول زیادہ قوی ہے۔“ [مجموعہ

فتاویٰ: ص ۲۹۰]

عظیم محدث امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وکان شیخنا رحمۃ اللہ علیہ یمنع من مسألة التورق وروجع فیها مرارا وانا حاضر

فلم یرخص فیها وقال المعنی الذی لاجله حرم الربا موجود فیها بعینة من

زیادة الکلفة بشراء السلعة وبيعها والخسارة فیها فالشریعة لا تحرم الضرر

الادنی ویتیح ما هو اعلى منه))

”ہمارے استاد (امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) تورق سے منع کرتے تھے۔ ان سے میری موجودگی

میں متعدد مرتبہ پوچھا گیا ہے مگر انہوں نے اس کی اجازت نہ دی وہ فرماتے تھے جس وجہ سے

سود کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ اس (تورق) میں بعینہ موجود ہے۔ اس کے ساتھ چیز خریدنے اور بیچنے کی تکلیف الگ ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ شریعت کم تر ضرر کو تو حرام قرار دے مگر بڑے ضرر کو جائز قرار دے۔“ [اعلام الموقعین: ج ۳ ص ۱۹۵]

الموسوعة الفقيه الكويتية میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر

علی احمد سالوس رحمۃ اللہ علیہ موسوعہ کے اس دعویٰ سے متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جمہور فقہاء بھی اس کو غلط ہی قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ بیع عینہ ہی میں شامل ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے انکی کتاب ”موسوعة القضاء الفقيه المعاصره“
راج رائے:

اگر قائلین اور مانعین کے دلائل کا موازنہ کیا جائے تو ان حضرات کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے جو اس کے حق میں نہیں ہیں۔ نتیجے کے اعتبار سے تورق اور سود میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جب تورق میں اصل غرض نقدی حاصل کرنا ہے نہ کہ کسی بھی لحاظ سے چیز سے فائدہ اٹھانا تو ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت لینے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ اسی لیے تو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس وجہ سے سود حرام ہے وہ اس میں بعینہ موجود ہے۔ بلکہ خرید و فروخت کی تکلیف اضافی ہے۔

بینکوں میں تورق کا استعمال:

ہماری معلومات کے مطابق پاکستان میں ابھی تک اسلامی بینکوں نے اس پر عمل شروع نہیں کیا۔ البتہ ملائیشیا اور بعض عرب ممالک میں کچھ سالوں سے اس کا استعمال جاری ہے۔ زیادہ تر یہ معاملہ عالمی مارکیٹ میں میٹل جیسے زنک، برنز، نکل اور تانبے وغیرہ کے سودوں میں کیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ایسا گاہک جس کو نقدی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلامی بینک سے یہ کہتا ہے کہ وہ اس نوع کا میٹل جو عام طور پر دوسرے ملک میں ہوتا ہے، ادھار قسطوں پر خریدنے کے لیے تیار ہے۔ یہ سود میٹل کے پونٹ کے حساب سے ہوتا ہے۔ جس کا وزن اور قیمت طے ہوتی ہے اور یہ بھی پہلے ہی طے ہوتا ہے کہ سود اکمل ہونے کے بعد بینک گاہک کے وکیل کی حیثیت سے اس کو آگے فروخت کر کے رقم اس کے کھاتے میں جمع کر دے گا۔ جو وہ نکلوا کر اپنی ضرورت پوری کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ بینک نے ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت لگانی ہے اور آگے کم قیمت پر فروخت کرنا ہے۔ دونوں دوسوں کے درمیان جو فرق ہوگا وہ گاہک کا نفع ہوگا۔ مثلاً بینک نے ایک لاکھ ڈالر کا

ایک سود ادھار قسطوں پر بیچا ہے تو وہ اس کے وکیل کی حیثیت سے آگے اس کو بیچا نوے ہزار ڈالر میں فروخت کر کے رقم اس کے کھاتے میں جمع کروادے گا۔ جس سے وہ اپنی مالی ضرورت پوری کر لے گا۔ بینک ایک لاکھ ڈالر قسطوں میں وصول کرے گا۔ اس طرح بینک کو پانچ ہزار ڈالر کا فائدہ ہو جائے گا۔ تورق کی یہ قسم کئی لحاظ سے بطور بالا میں بیان ہونے والی قسم سے مختلف ہے۔

① اس میں فروخت کنندہ یعنی بینک خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ جبکہ پہلی قسم میں فروخت کنندہ کا درمیان میں کوئی کردار نہیں ہوتا۔

② تورق کی اس نوع میں نقدی کا ضرور تمند خود بینک سے جس کا اب وہ مدیون (مقروض) ہو چکا ہے رقم وصول پاتا ہے۔ جبکہ تورق کی اول الذکر قسم میں وہ آخری خریدار سے خود وصول پاتا ہے۔ اس میں پہلے فروخت کنندہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

③ اسلامی بینکوں میں رائج تورق ادھار اور نقد دو بیعوں کو مجموعہ ہوتی ہے۔ جو حقیقت میں ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔ فقہی تورق میں یہ چیز نہیں ہوتی۔

④ فقہی تورق میں وہ چیز زیادہ یا قیمت خرید پر بکنے کا احتمال بھی ہوتا ہے لیکر بینکوں میں رائج تورق میں اس کا کم قیمت پر بیچنا طے ہوتا ہے۔

شرعی حیثیت:

① جب رائج رائے مطابق تورق بذات خود منع ہے تو یہ صورت بدرجہا تم ممنوع ہونی چاہیے کیونکہ یہ کئی لحاظ ہے اس سے مختلف ہے اور پھر سب کام بینک کے کرنے کی وجہ سے اس کی مشابہت سود اور بیع عینہ سے ہو جاتی ہے۔

② نبی ﷺ کا فرمان ہے ایک بیع میں دو شرطیں درست نہیں۔ اس میں تو کئی شرطیں پائی جاتی ہیں مثلاً:

(۱) یہ شرط کہ مشتری بینک کو وکیل بنائے گا۔

(۲) مشتری وکالت منسوخ نہیں کر سکتا۔

(۳) بینک کی قیمت خرید سے زیادہ پیسے دے گا۔

(۴) آگے کم قیمت پر فروخت کرے گا۔

⑤ جس چیز پر سودا ہوتا ہے وہ بینک کے پاس پہلے سے موجود نہیں ہوتی بلکہ بینک بعد میں خریدتا ہے۔ اس طرح یہ مرابحہ للامر بالشراء ہے جو بذات خود جائز نہیں۔

بیع سلم:

بعض اسلامی بینکوں میں تمویلی سرگرمیوں کے لیے بیع سلم کا استعمال بھی جاری ہے سلم ایک معروف شرعی اصطلاح ہے جس سے مراد لین دین اور خرید و فروخت کی وہ قسم ہے جس میں ایک شخص یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ مستقبل کی فلاں تاریخ پر خریدار کو ان صفات کی حامل فلاں چیز مہیا کرے گا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَالسَّلْمُ شَرْعًا بَيْعٌ مَوْضُوفٌ فِي الذَّمَّةِ))

”سلم کا شرعی معنی ہے ایسی چیز بیچنے کی ذمہ داری اٹھانا جس کی صفات بیان کر دی گئی ہوں“

[فتح الباری: ج ۴ ص ۵۴۰]

اس کو سلف بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں بچی گئی چیز کی قیمت معاہدے کے وقت ہی ادا کر دی جاتی ہے۔ یعنی یہ بیع کی وہ قسم ہے جس میں قیمت تو فوری ادا کر دی جاتی ہے مگر چیز بعد میں فراہم کی جاتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بیع کی یہ صورت بھی رائج تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کلیتہً منع کرنے کی بجائے بنیادی اصلاحات کر کے اس کو باقی رکھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((قَدِمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِينَةَ ، وَهُمْ يُسَلِّفُونَ بِالتَّمْرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثِ ، فَقَالَ مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَفِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ)) [صحیح

بخاری: باب السلم فی وزن معلوم]

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ کھجوروں میں دو اور تین سال کے لیے بیع سلم کرتے تھے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیع سلم کرنا چاہتا ہے وہ متعین پیمانے اور وزن میں متعین مدت کے لیے کرے۔“

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

((أَشْهَدُ أَنَّ السَّلْفَ الْمَضْمُونِ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى قَدْ أَحَلَّهُ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَأَذِنَ فِيهِ ثُمَّ قَرَأَ هِيَآئِهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَآكْتُبُوهُ

((۴))

”میں گواہی دیتا ہوں کہ مقررہ مدت تک ضمانت دی گئی سلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب جائز قرار دیا

ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔ پھر انہوں نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾

”اے ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ وقت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔“

[البقرة: ۲۸۲]

[مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۵ ص ۲۷۷، مستدرک حاکم: ج ۷ ص ۲۵۸]

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((إِنَّا كُنَّا نُسَلِّفُ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فِي الْحِنْطَةِ،
وَالشُّعْبِ وَالزُّبَيْبِ، وَالتَّمْرِ))

”ہم رسول اللہ ﷺ، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں گندم، جو، کھجور اور منقا میں بیع سلم کرتے تھے“ [صحیح بخاری: باب السلم فی وزن معلوم]

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَىٰ مَشْرُوعِيَّتِهِ إِلَّا مَا حُكِيَ عَنْ ابْنِ الْمُسَيْبِ))

”سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام علماء اس کے جواز پر متفق ہیں۔“

[فتح الباری: ج ۴ ص ۵۴۰]

سلم کی اجازت کا فلسفہ:

بعض کسانوں اور میزینوں کے پاس ضرورت کے مطابق مثلاً بیج، کھادوں، آلات، خام مال خریدنے اور لیبر کے لئے رقم نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو اسلام نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ حصول رقم کی خاطر اپنی فصل یا پیداوار قبل از وقت فروخت کر سکتے ہیں تاکہ قرض کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچے رہیں۔ اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی چیز بیچنے کے لئے لگا ہگ تلاش کرنے کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کا سودا پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے۔ اس سے خریدار کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کیوں کہ سلم میں قیمت ان چیزوں کی نقد قیمت سے کم ہوتی ہے جو نقد ادا کی جانی ہو۔ مزید برآں اگر چیز آگے بیچنا چاہتا ہو تو مارکیٹنگ کے لئے مناسب وقت مل جاتا ہے۔

کیا سلم خلاف قیاس ہے؟

شرعی اصول کے مطابق انسان کو وہی چیز بیچنے کی اجازت ہے جو نہ صرف وجود میں آچکی

ہو بلکہ اس کی ملکیت اور قبضہ میں ہو جبکہ سلم میں عقد کے وقت چیز کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ اس بنا پر بعض فقہاء نے کہا ہے کہ سلم بیع معدوم کی ایک استثنائی صورت ہے۔ مگر امام ابن قیم رحمہ اللہ اس سے متفق نہیں ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

((وأما السلم فمن ظن أنه على خلاف القياس توهم دخوله تحت قول النبي ﷺ لا تبع ما ليس عندك فإنه بيع معدوم والقياس يمنع منه والصواب أنه على وفق القياس فإنه بيع مضمون في الذمة موصوف مقدور على تسليمه غالباً وهو كالمعاصرة على المنافع في الإجارة وقد تقدم أنه على وفق القياس))

[اعلام الموقعين: ج ۲ ص ۱۹]

”اس کا مطلب ہے کہ جو حضرات سلم کو خلاف قیاس سمجھتے ہیں وہ اس کو نبی ﷺ کے اس ارشاد ”جو چیز تیرے پاس موجود نہیں اس کو فروخت نہ کر۔“ میں داخل سمجھنے کی غلطی کرتے ہیں جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ قیاس کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بیع ہے جس میں انسان ایسی چیز جس کو عام طور پر حوالے کر سکتا ہوتا ہے بیان کی گئی صفات کے مطابق بیچنے کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ یہ اجارہ میں منفعت کا معاوضہ لینے جیسی صورت ہے۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ قیاس کے مطابق ہے۔“

مسلم کی شرطیں:

اس میں ان تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو شریعت نے عام بیع کے لئے مقرر کی ہیں تاہم معاملہ کو فرار سے پاک رکھنے کے لئے کچھ خاص شرطیں بھی رکھی گئی ہیں۔ مثلاً

① جس چیز کا سودا کیا جا رہا ہو معاہدے کے وقت اس کی نوعیت، اوصاف، مقدار، تعداد اور مالیت کا تعین پہلے سے کیا جا سکتا ہو۔ جن چیزوں میں یہ ممکن نہ ہو ان میں بیع سلم جائز نہیں ہوتی۔ جیسے قیمتی موتی، جواہرات اور نوادرات ہیں کیوں کہ ان کی اکائیاں ایک دوسرے سے کافی مختلف ہوتی ہیں۔

② جو چیز بیچی اور جو قیمت میں دی جا رہی ہو دونوں کا تعلق ان اموال سے نہ ہو جن میں فوری قبضہ کی شرط ضروری ہے جیسے چاندی کے عوض سونے کی بیع یا گندم کے بدلے گندم کا سودا۔ کیوں کہ اس قسم کے تبادلہ میں موقع پر قبضہ شرط ہے۔

③ مکمل قیمت معاہدہ کے وقت ہی ادا کر دی جائے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

((مَنْ سَلَفَ فِي تَمْرِ فَلْيَسْلِفْ فِي كَيْلِ مَعْلُومٍ، وَوَزْنِ مَعْلُومٍ))

[صحیح بخاری: کتاب السلم، باب المسلم فی کیل معلوم]

”جو کچھ وروں میں بیع سلف کرے وہ معلوم پیمانے اور معلوم وزن میں کرے۔“

سلف سلم کا دوسرا نام ہے اور اس کو سلف اس لئے کہا جاتا کہ اس میں قیمت پیشگی ادا کر دی جاتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں یعنی پیشگی قیمت کی شرط آپ ﷺ نے خود لگائی ہے۔ اور اگر پوری قیمت پہلے ادا نہ کی جائے تو یہ ادھار کا ادھار کے ساتھ تبادلہ ہوگا جو شرعاً ممنوع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَأَتَّفَقُوا عَلَيَّ أَنَّهُ يَشْتَرَطُ لَهُ مَا يَشْتَرَطُ لِلْبَيْعِ، وَعَلَى تَسْلِيمِ رَأْسِ الْمَالِ فِي

الْمَجْلِسِ)) [فتح الباری: ص ۴۰۵]

”علماء اس پر متفق ہیں کہ اس کی بھی وہی شرطیں ہیں جو عام بیع کی ہیں اور اس پر بھی متفق ہیں

کہ مجلس میں اس المال حوالے کرنا ضروری ہے۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((هَذَا الشَّرْطُ لَا بَدَّ مِنْهُ وَلَا يَتِمُّ السَّلْمُ إِلَّا بِهِ وَإِلَّا كَانَ مِنْ بَيْعِ الْكَالِيِّ

بِالْكَالِيِّ وَقَدْ قَدِمْنَا النَّهْيَ عَنْهُ))

[السييل الحرار: کتاب البيع باب السلم]

”یہ شرط ضروری ہے اس کے بغیر سلم مکمل نہیں ہوتی ورنہ یہ ادھار کی ادھار کے ساتھ بیع

ہوگی۔ اور اس کی ممانعت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔“

④ مدت حوالگی پوری طرح واضح ہو۔ اگر اس میں کسی قسم کا ابہام پایا جائے تو بیع سلم درست نہ ہو

گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْحَبَلَةِ، وَكَانَ بَيْعًا يَتَّبِعُهُ أَهْلُ

الْجَاهِلِيَّةِ، كَانَ الرَّجُلُ يَتَّبِعُ الْجَزُورَ إِلَى أَنْ تُتَبَّعَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُتَبَّعَ الْبَيْتُ فِي

بَطْنِهَا))

”بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ (نافع کہتے ہیں) بیع کی

یہ صورت زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔ آدمی اس وعدہ پر اونٹ خریدتا کہ جب اونٹنی جنے پھر وہ

بڑی ہو کر بنے تب قیمت دوں گا“

[صحیح بخاری: باب بیع الغرر وحیل المحبلة]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((لَا تَبَايَعُوا إِلَى الْحَصَادِ وَالذِّيَابِ وَلَا تَبَايَعُوا إِلَّا إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ))
 ”فصل کاٹنے یا گانے تک بیع نہ کرو بلکہ متعین مدت تک کرو“

[ارواء الغلیل: ج ۵ ص ۲۱۷]

ان دونوں صورتوں میں چونکہ مدت میں ابہام ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہیں۔

⑤ مخصوص باض یا زمین کے مخصوص قطعہ کی پیداوار میں بیع مسلم نہیں ہو سکتی کیوں کہ اس میں غرر پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے وہ باض پھل نہ دے یا قطعہ زمین میں فصل ہی نہ ہو۔ سعید بن سحنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

((هَلْ لَكَ أَنْ تَبِيعَنِي تَمْرًا مَعْلُومًا إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ مِنْ حَائِطِ بَيْتِي فَلَنْ قَالَ لَا أَبِيعُكَ مِنْ حَائِطِ مُسْمَى ، بَلْ أَبِيعُكَ أَوْسُقًا مُسْمَاةً إِلَى أَجَلٍ مُسْمَى))

”کیا آپ مجھے بی فلاں کے باض سے متعین مدت کے لیے متعین کھجوریں فروخت کریں گے۔ آپ نے فرمایا متعین باض سے نہیں بلکہ متعین وقت متعین مدت کے لیے فروخت کرتا

ہوں۔“ [فتح الباری: ج ۴ ص: ۵۴۶]

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((وَنَقَلَ ابْنُ الْمُنْبَرِ إِتْفَاقَ الْأَكْثَرِ عَلَى مَنَعِ السَّلْمِ فِي بُسْتَانٍ مُعَيَّنٍ لِأَنَّهُ غَرَرٌ))

”ابن منذر نے متعین باض میں سلم کی ممانعت پر اکثر کا اتفاق نقل کیا ہے۔“

[حوالہ مذکورہ] www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر علامہ محمد سلیمان اشقر لکھتے ہیں:

”دور حاضر میں اس کی بعض صورتوں میں نظر ثانی ہونی چاہے کیوں کہ بعض بڑی بڑی فیکٹریاں ایسی ہیں جن کی مصنوعات بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہیں اور ان کی مصنوعات میں ایسی خوبیاں ہیں جو دوسری فیکٹریوں کی مصنوعات میں نہیں پائی جاتیں۔ جیسے مرسڈیز کمپنی کی گاڑیاں یا توشیبا کے ٹیلی ویژن ہیں اگر کوئی مرسڈیز گاڑی ۲۰۰ ماڈل ۱۹۹۳ میں سلم کرنا چاہے تو یہ جائز ہونی چاہے بلکہ میرے نزدیک گاڑیوں میں اس وقت تک سلم درست نہیں جب تک

ٹیکسٹری کا نام ذکر نہ کرے۔ صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ گاڑی پانچ سیر اور فلاں سال کا ماڈل ہو کیوں کہ قیمتوں کے فرق کی وجہ سے اس میں جہالت پائی جاتی ہے جو نصاب کا باعث بن سکتی ہے۔ گاڑیوں کے علاوہ دوسری بڑی ٹیکسٹریوں جن کی پیداوار بازاروں میں عام ہے کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ مخصوص زرعی فارم اور محدود پیداوار کے حامل کارخانے کا یہ حکم نہیں کیوں کہ اس کی پیداوار بند بھی ہو سکتی ہے۔“

[بحوث فقہیہ فی قضا یا اقتصادی معاصرہ: ج ۱ ص: ۱۹۴-۱۹۵]

علامہ سلیمان اشقر کے خیال میں بعض مالکی فقہاء جیسے ابن شاس اور ابن الجاجب کے کلام سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ انہوں نے متعین باغ کے پھل میں سلم ناجائز ہونے کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے ”کہ وہ باغ چھوٹا نہ ہو“ اور جانوروں میں یہ قید لگائی ہے ”کہ ان کا تعلق ایسی نسل سے نہ ہو جو کم پائی جاتی ہو“ اس کا مطلب ہے کہ باغ اگر بڑا اور جانور کی نسل زیادہ پائی جاتی ہو تو اس میں سلم غیر متعین کی طرح ہی ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ بعض فقہاء کے اس کلام ”کہ بڑی بستی کے پھل میں سلم جائز ہے لیکن اگر چھوٹی ہو تو پھر جائز نہیں“ سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے [حوالہ مذکورہ]

ملاحظہ:

شیراز کے سودوں میں چونکہ کمپنی کا نام ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے جس سے اس کی حیثیت متعین چیز میں سلم کی ہو جاتی ہے جو ناجائز ہے ممکن ہے جب سپردگی کا وقت آئے مارکیٹ میں اس کمپنی کے شیراز دستیاب نہ ہو لہذا شیراز میں بیع سلم درست نہیں۔

سلم اور اصنعاء میں فرق:

اصنعاء کا معنی ہے آڈر پر کوئی چیز تیار کروانا۔ اہلحدیث علماء کی رائے میں یہ سلم کی ہی ایک قسم ہے جس کا تعلق ایسی اشیاء سے ہے جو آڈر پر تیار کروائی جاتی ہیں اور اس میں پابندیاں قدرے نرم ہیں۔ مثلاً اس میں پوری قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری نہیں۔ ڈاکٹر علی احمد سالوس رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((الاصنعاء عند المالکیة والشافعیة والحنابلة جزء من السلم لا یصح الا بشروطه وهو عند الحنفیة عدا زفر عقد مستقل له شروطه واحكامه الخاصة))

[موسوعة القضاء الفقهية المعاصرة والاقتصاد الاسلامي: ص ۸۴۲]

”مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کے نزدیک استصناعِ سلم کی ہی قسم ہے۔ جو سلم کی شرطوں کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ البتہ امام زفر کے علاوہ باقی حنفیوں کے نزدیک یہ ایک مستقل عقد ہے جس کی اپنی شرطیں اور خاص احکام ہیں۔“

سلم میں رہن اور ضمانت طلب کرنا:

بیع سلم میں بیٹی گئی چیز چونکہ فروخت کنندہ کے ذمہ ادھار ہوتی ہے لہذا خریدار حوالگی یقینی بنانے کے لئے رہن یا گارنٹی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ ہم اوپر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں کہ قرآن حکیم کی آیت

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾

”اے ایمان والو! جب تم آپس میں مقرر وقت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔“

[البقرة: ۲۸۲]

میں بیع سلم بھی شامل ہے جبکہ اس سے بعد والی آیت میں ادھار میں رہن کی اجازت دی گئی ہے۔ یعنی سلم میں رہن کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں بایں الفاظ بَابُ الرَّهْنِ فِي السَّلْمِ ”سلم میں رہن کا ثبوت“ عنوان باندھا ہے اور یہ روایت ذکر کی ہے۔ اعمش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((تَدَاكَّرْنَا عِنْدَ اِبْرَاهِيمَ الرَّهْنِ فِي السَّلْفِ فَقَالَ حَدَّثَنِي الْاَسْوَدُ عَنْ

عَائِشَةَ ؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا اِلَىٰ اَجَلٍ مَّعْلُومٍ ، وَارْتَهَنَ

مِنْهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ)) [صحيح بخارى: باب الرهن في السلم]

”ہم نے ابراہیم کے پاس سلم میں رہن کے متعلق گفتگو کی انہوں نے فرمایا مجھے اسود نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے متعین مدت کے لئے غلہ

خریدا اور اس کے پاس لوہے کی زرہ گروہی رکھی“

سلم میں قبضہ کی مدت:

چونکہ حدیث و سنت میں بیع سلم میں قبضہ کی کم از کم مدت کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملتی اس لئے اس بارہ میں انہما کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک ایک گھڑی کی مہلت بھی کافی ہے جبکہ بعض نصف یوم بعض دو بعض تین اور بعض پندرہ دن کے قائل ہیں

[عمدة القاری ج ۸ ص: ۵۸۱]

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں کم از کم اتنی مدت ہونی چاہیے جس کا قیمتوں پر مناسب اثر پڑتا ہو وہ ایک مہینہ یا اس کے قریب ہے [المعنی ج ۶ ص: ۴۰۴]

صحیح بات یہ ہے کہ فریقین کو باہمی رضامندی سے کوئی بھی مدت مقرر کرنے کا اختیار ہے۔

☆ ایک تو اس لیے کہ ذخیرہ احادیث میں نبی ﷺ سے کم از کم مدت کے حلق کوئی روایت متحول نہیں۔

☆ دوسرا اس لیے کہ سلم کی اجازت کا مقصد لوگوں کو ہولت دینا ہے یہ مقصد تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب مدت کی پابندی نہ ہو۔

حواگی میں تاخیر پر جرمانہ:

سلم میں پتلی گئی چیز چونکہ فروخت کنندہ کے ذمہ دین (ادھار) ہوتی ہے جس میں تاخیر پر جرمانہ مروج و شمار ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

((مَنْ أَسْلَفَ سَلْفًا فَلَا يَشْتَرُ إِلَّا قِضَاءَهُ))

”جو سلم کرے وہ ادائیگی کے علاوہ کوئی شرط عائد نہ کرے۔“

[موطا امام مالک: باب ما لا يجوز من السلف]

اسلامی بیگانوں کی رہنمائی کے لیے مرتب کردہ شریعہ شیئر رولز میں ہے:

((لَا يَجُوزُ الشَّرْطُ الْجَزَائِيَّ عَنِ التَّخْيِيرِ فِي تَسْلِيمِ الْمُسْلِمِ فِيهِ))

[ص: ۱۶۶]

”جس چیز میں سلم کا سودا ہوا اس کی تاخیر پر شرط جزائی جائز نہیں۔“

مفہوم عام میں ضمانت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جس چیز کا سودا ہوا ہے وہ بیچنے والے کے ذمہ دین ہے جس پر اضافی شرط سودا شمار ہوتی ہے۔

اگر فروخت کنندہ تنگ دستی کی وجہ سے بروقت چیز مہیا نہ کر سکے تو اس کو آسانی ہونے تک موقوف دیا جائے گا۔

اگر مطلوبہ چیز کی بے لوار کم ہونے یا بازار میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بائع کے لیے بروقت خرید کی ممکن نہ ہو تو خریدار کے پاس وہ اختیار ہوتے ہیں۔

① بازار میں آسانی سے دستیاب ہونے کا انتظار کرے۔

② سود ختم کر کے اپنی رقم وصول کر لے۔

[المعايير الشرعية ص: ۱۶۲]

اگر عداً تاخیری حربے استعمال کرے تو خریدار اسکی گارنٹی بیچنے کا حق رکھتا ہے ایسی صورت میں خریدار کے پاس دو ہی اختیار ہوں گے۔

☆ گارنٹی سے حاصل شدہ رقم سے اس قسم کی چیز بازار سے خرید لے۔

☆ یا اپنی اصل رقم وصول پا لے۔

لیکن اضافی رقم خواہ جرمانے کے نام پر ہی کیوں نہ ہو وصول نہیں کی جاسکتی۔ بعض حضرات کی رائے میں اگر جرمانہ کی رقم قرض خواہ یا ادھار دینے والے کی آمدن کا حصہ نہ بنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ رائے صائب نہیں کیونکہ شرعاً قرض یا ادھار پر مشروط اضافہ سود کے زمرہ میں داخل ہے اس میں آمدن کا حصہ بننے یا نہ بننے کی شرط نہیں۔

قبضہ سے پہلے بیچنا:

”سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز جب تک خریدار کے قبضہ میں نہ آجائے اس کو آگے فروخت کرنا منع ہے۔ کیونکہ یہ دین ہے جس کو بیچنا شرعاً درست نہیں علاوہ ازیں احادیث میں قبضہ سے قبل فروخت کی ممانعت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

((أَمَّا بَيْعُ الْمُسْلِمِ فِيهِ قَبْضُهُ ، فَلَا نَعْلَمُ فِي تَحْرِيمِهِ خِلَافًا ، وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَعَنْ رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَلِأَنَّهُ مَبِيعٌ لَمْ يَدْخُلْ فِي ضَمَانِهِ ، فَلَمْ يَجْزُ بَيْعُهُ ، كَمَا لَطَّاعِمٍ قَبْلَ

قَبْضِهِ)) [المعنى: ج ۹ ص ۶۸]

”سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز کو قبضے سے قبل فروخت کرنے کی حرمت میں ہم کسی اختلاف کا علم نہیں رکھتے۔ بلاشبہ نبی ﷺ نے قبضے سے قبل غلے کی بیج سے منع فرمایا ہے۔ اور اس چیز کے نفع سے بھی منع فرمایا ہے جس کا رسک نہ اٹھایا گیا ہو۔ اور یہ چیز تو ابھی اس کے رسک میں نہیں آئی لہذا اس کی بیج جائز نہیں جس طرح کے غلے کی بیج قبضے سے قبل جائز نہیں۔“

نوٹ: اس چیز کی فروخت کا ایسا وعدہ جس کی پابندی دونوں یا کسی ایک فریق کے لئے لازمی ہو وہ بھی اس ممانعت میں شامل ہیں۔

تجارت میں سلم کا استعمال:

کیا سلم کی اجازت صرف کاشتکاروں اور اشیاء تیار کرنے والوں کو ہے یا سپلائرز بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ اس بارہ میں دو نقطہ نظر ہیں۔

① اکثر علماء کی رائے میں یہ رعایت تاجروں کے لیے بھی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں چنانچہ انہوں نے اس کے حق میں ”باب السلم الی من لیس عندہ اصل“ ”ایسے شخص سے سلم کا معاملہ کرنا جس کے پاس اس چیز کی اصل نہ ہو“ کے عنوان سے ایک مستقل باب باندھا ہے اور استدلال کے لیے ذیل کی روایت لائے ہیں۔

((قَالَ عَبْدُ اللَّهِ كُنَّا نُسَلِّفُ نَيْطَ أَهْلِ الشَّامِ فِي الْحِنْطَةِ، وَالشُّعْبِيرِ، وَالزُّبَيْتِ، فِي كَيْفِ مَعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ قُلْتُ إِلَى مَنْ كَانَ أَصْلُهُ عِنْدَهُ قَالَ مَا كُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذَلِكَ))

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم شام کے کاشتکاروں کے ساتھ گندم، جو، اور تیل میں متعین پیمانے اور متعین مدت کے لیے سلم کا معاملہ کرتے۔ محمد بن ابی مجالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے پوچھا: کیا ان سے جن کے پاس ان چیزوں کی اصل ہوتی؟ انہوں نے فرمایا: ہم ان سے اس کے متعلق نہیں پوچھتے تھے۔“

[صحیح بخاری: باب السلم الی من لیس عندہ أصل]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مطلب ہے کہ ہم ان سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس گندم یا جو کی فصل ہے یا نہیں؟

اس نقطہ نظر کے حق میں دوسری روایت یہ پیش کی لاتی ہے۔

((كُنَّا نُسَلِّفُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فِي الْحِنْطَةِ وَالشُّعْبِيرِ وَالزُّبَيْبِ أَوْ التَّمْرِ شَكًّا فِي التَّمْرِ وَالزُّبَيْبِ وَمَا هُوَ عِنْدَهُمْ أَوْ مَا تَرَاهُ عِنْدَهُمْ))

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم کے دور میں گندم، جو اور مٹی یا کھجوروں میں (یعنی راوی کو یہ شک ہے کہ کھجور کا لفظ بولا یا مٹے کا) بیع سلم کرتے حالانکہ وہ چیز ان کے پاس نہیں ہوتی تھی یا کہا ہم وہ ان کے پاس نہیں دیکھتے تھے“ [مسند احمد: ۱۹۶۶۰]

اس نقطہ نظر کے قائلین کہتے ہیں یہ روایات اس امر کا تین ثبوت ہے کہ سلم کی اجازت

سپلائر کے لیے بھی ہے۔

② دوسری رائے یہ ہے کہ سلم کی اجازت صرف کاشتکاروں اور مینوفیکچررز کو ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کاشتکار اور چیز تیار کرنے والا جب سلم کے ذریعے چیز بیچتا ہے تو غالب گمان یہی ہوتا ہے مدت حوالگی کے وقت وہ چیز اس کے پاس موجود ہوگی اس کو دوسرے سے خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آئی گی گویا وہ اپنی ملکیتی چیز بیچ رہا ہے اس کے برعکس سپلائر جب سلم کا معاہدہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے پاس موجود نہیں ہوتی شریعت نے غیر ملکیتی چیز کا سودا کرنے پر پابندی لگائی ہے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا بَنِي الرَّجُلِ فَيَسْأَلُنِي الْبَيْعَ لَيْسَ عِنْدِي أَبِيعُهُ مِنْهُ ثُمَّ أَبْتَاغَهُ لَهُ مِنَ السُّوقِ))

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک آدمی آتا ہے وہ مجھے ایسی چیز بیچنے کو کہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی کیا میں اس کو بیچ دوں پھر وہ بازار سے خرید کر اس کو دے دوں۔“

اس پر آپ نے فرمایا:

((لَا تَبِيعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ)) [سنن النسائي: باب بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَ الْبَائِعِ]

”جو چیز تیرے پاس نہیں وہ فروخت نہ کر۔“

ان حضرات کے خیال میں حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کا سوال تجارت میں سلم کے متعلق ہی تھا مگر آپ نے اس کی اجازت نہ دی اور نہ ہی آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اگر اس کی صفات بیان کر دی گئی ہو تو پھر جائز ہے۔ ان حضرات کی تحقیق میں جو روایات اول الذکر فریق نے پیش کی ہیں وہ ان کے موقف کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ پہلی روایت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ خریدار کو فروخت کنندہ سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کے پاس کھیتی یا باغ ہے یا نہیں

[بحوث فی فقہ المعاملات المالیه: ص ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵

اس ارشاد کا معنی صرف یہ ہے کہ ایسی متعین چیز فروخت نہ کر جو تیرے قبضہ میں نہ ہو بلکہ غیر کی ملکیت ہو۔ چنانچہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں رقمطراز ہیں:

((وَأَمَّا قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَكِيمِ بْنِ حَزَامٍ (لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ) فَيَحْمَلُ عَلَى مَعْنَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنْ يَبِيعَ عِنَّا مُعَيَّنَةً وَهِيَ لَيْسَتْ عِنْدَهُ، بَلْ مِلْكٌ لِّلْغَيْرِ، فَيَبِيعُهَا ثُمَّ يَسْعَى فِي تَخْصِيلِهَا وَتَسْلِيمِهَا إِلَى الْمُشْتَرِي وَالثَّانِي أَنْ يُرِيدَ بَيْعَ مَا لَا يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهِ وَإِنْ كَانَ فِي الدُّمَةِ))

”حکیم بن حزام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”جو چیز تیری ملکیت میں نہیں وہ فروخت نہ کر، اس کو دو معنوں پر محمول کیا جائے گا۔

① انسان ایسی متعین چیز بیچے جو اس کے پاس موجود نہ ہو بلکہ غیر کی ملکیت ہو۔ آدمی پہلے اس کو بیچنے پھر حاصل کر کے مشتری کے حوالے کرنے کی کوشش کرے۔

② ایسی چیز کا سودا کرے خواہ ذمہ داری اٹھانے کو (مشتری کے) حوالے نہ کر سکتا ہو۔“

[اعلام الموقعین: ج ۲ ص ۱۴۶]

بیع سلم میں دونوں باتیں نہیں ہوتیں کیونکہ یہاں تو صرف بیان شدہ صفات کے مطابق ایک چیز فروخت کرنے کی ذمہ داری قبول کی جاتی ہے۔

اسلامی بینکوں میں سلم کا استعمال:

بلاشبہ سلم ایک بہترین غیر سودی طریقہ تمویل ہے جو عصر حاضر میں بھی لوگوں خصوصاً کاشتکاروں اور مینوفیکچرنگ کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے اور بعض اسلامی بینک اس سے فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں اسلامی بینک اس کی عملی تطبیق گڑبڑ کرتے ہیں جس سے یہ معاملہ شرعی اصول کے مطابق نہیں رہتا۔ وہ یوں مثلاً گنے کے سیزن میں شوگر ملوں کو گنا خریدنے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملز مالکان چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائے اور ہم سود سے بھی محفوظ رہیں اب وہ اسلامی بینک کی طرف رجوع کرتے ہیں بینک اس شرط پر رقم فراہم کرتا ہے کہ آپ نے ہمیں اس کے عوض فلاں تاریخ تک اتنی چینی مہینا کرنی ہے یعنی بینک سلم کا معاہدہ کر لیتا ہے شوگر ملز کی طرف سے فراہمی یقینی بنانے کے لیے بینک ضمانت بھی طلب کرتا ہے چونکہ بینک کاروباری ادارہ نہیں جو آگے بیچنے کے لئے گاہگ تلاش کرتا پھرے اس لئے معاہدے کے وقت ہی یہ بھی طے کر لیا جاتا ہے کہ مل مالک بینک کے وکیل کی حیثیت سے یہ چینی

مارکیٹ میں اس قیمت پر فروخت کر کے رقم بینک کے سپرد کرے گا۔ بعض دفعہ معاہدے کے وقت اس کی صراحت نہیں ہوتی مگر فریقین کے ذہن میں یہی ہوتا ہے۔ اگر شوگر ملز بروقت چینی فراہم نہیں کرتی تو بینک دی گئی رقم کے فیصد کے حساب سے جرمانہ وصول کرتا ہے جو بینک کی زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروایا جاتا ہے۔

بینک کا خود قبضہ کرنے کی بجائے فروخت کنندہ کو ہی وکیل بنانا شرعی اصول کے خلاف ہے۔ چنانچہ علماء احناف کے سرخیل علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((وَلَوْ قَالَ رَبُّ السَّلْمِ لِلْمُسْلِمِ إِلَيْهِ كُلُّ مَالِي عَلَيْكَ مِنَ الطَّعَامِ فَأَعْرَظُهُ فِي بَيْتِكَ أَوْ فِي غَيْرِائِكَ فَقَعَلَ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ رَبُّ السَّلْمِ قَابِضًا بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ أَقْبِضْهُ لِي بَيْسَارِكَ مِنْ يَمِينِكَ وَهَذَا لِأَنَّ الْمُسْلِمَ فِيهِ دَيْنٌ عَلَى الْمُسْلِمِ إِلَيْهِ وَالْمُدْيُونُ لَا يَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ نَائِبًا عَنْ صَاحِبِ الدَّيْنِ فِي قَبْضِ الدَّيْنِ مِنْ نَفْسِهِ)) [المبسوط: ج ۱۵ ص ۱۰۱]

”اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سلم کے ذریعے بیٹی گئی چیز فروخت کنندہ کے ذمہ ادھار ہوتی ہے اور جس کے ذمہ ادھار ہو وہ خود اپنی ذات سے اس کی وصولی کے لئے اس شخص کا وکیل نہیں بن سکتا جس کا اس کے ذمہ ادھار ہو۔“

علامہ ڈاکٹر محمد سلیمان اشقر سلم سے اسلامی بینکوں کے فائدہ اٹھانے کے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الطريقة الثانية: ((أن يوكل المصرف البائع (المسلم اليه) بتسويق البضاعة بأجر أو دون أجر فإن كان باتفاق معه مسبق مربوط بعقد السلم نفسه فإن ذلك باطل لا يجوز، لأنه من باب جمع عقدين في عقد واحد. وكذا لو كان الأمر متفاهما عليه أن يتم بهذه الصورة.)) [بحوث فقهية في قضايا اقتصادية معاصرة: ج ۱ ص: ۲۱۴]

”دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بینک چیز کی مارکیٹنگ کے لئے فروخت کنندہ کو ہی اپنا وکیل مقرر کر دے خواہ اس کی اجرت دے یا بغیر اجرت کے تو اگر یہ وکالت پہلے سے عقد سلم سے مربوط ایگریمنٹ کے ذریعے ہو تو یہ عمل باطل ہوگا جو جائز نہیں کیونکہ یہ ایک عقد میں دو عقد جمع کرنے کے مترادف ہے اور اگر (ایگریمنٹ تو نہ ہو مگر) پہلے ہی سے ذہن میں یہ ہو کہ

معاملہ اس طرح تکمیل کو پہنچے گا تو پھر بھی یہ جائز نہیں۔

مسلم متوازی:

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں مسلم سے فائدہ اٹھانے کا جو طریقہ اسلامی بینکنگ کے ماہرین نے تجویز کیا ہے اس کو مسلم متوازی کہتے ہیں۔ یعنی بینک کسی تیسرے فریق کے ساتھ مسلم کا معاہدہ کر لے۔ جس کی تاریخ ادائیگی پہلی مسلم والی ہی ہو۔ متوازی مسلم میں مدت کم ہونے کی وجہ سے قیمت زیادہ ہوگی اور یوں دونوں قیمتوں میں فرق بینک کا نفع ہوگا۔ مگر ہمارے ہاں اسلامی بینکوں میں یہ طریقہ شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر فروخت کنندہ کو ایجنٹ بنانے کا طریقہ ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ جو شرعاً درست نہیں۔

خلاصہ:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی بینکوں کے معاملات شرعی اصولوں سے ہم آہنگ نہ ہونے کی بنا پر واقعی مشکوک ہیں لہذا ان سے احتراز واجب ہے۔ بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسلامی بینکوں نے شریعہ ایڈوائزر رکھے ہوئے ہیں جو تمام امور کی نگرانی کرتے ہیں۔ اگر اسلامی بینکوں میں شرعی اصولوں کا پورا خیال نہیں رکھا جاتا تو وہ تائید کیوں کرتے ہیں۔ ہم اس کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے اسلامی بینکاری کے حامی اور متحدہ عرب امارات میں Emirates Islamic Bank کے شریعہ بورڈ کے ممبر جناب عبدالعظیم ابو زید کے ایک بیان کا حوالہ دینا کافی سمجھتے ہیں جو ۱۵ اپریل ۲۰۰۸ء کو I.B.F Net پر شائع ہو چکا ہے۔ اس کے مطابق انہوں نے دعویٰ میں اسلامک فنانس فورم میں تقریر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا کہ شریعہ سکالر کرپٹ ہو چکے ہیں اور بینک صرف انہیں کے پاس جاتے ہیں جو ان کے حق میں ہوتے ہیں انہوں Arabian Business.Com کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اسلامک فنانس سیکٹر خطرے میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ بینک کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نفع کماتا اس لحاظ سے کنوشنل اور (رائج) اسلامک فنانس میں کوئی فرق نہیں۔



www.KitaboSunnat.com



اسلام - مالیاتی نظام



إِبْقَاءِ الْمِنِّ بِالْقَاءِ الْمِحْنِ

یعنی

خود نوشتہ سوانح حیات

نواب محمد علی صاحب

(۶۱۸۳۲ — ۶۱۸۹۰)

تہذیب ،

مولانا محمد خالد سیف

تتبع و نفاذ ،

قاری نعیم الحق نعیم

دار الدعوة السلفية، شہس محل روڈ، لاہور

دار الدعوة السلفية، شہس محل روڈ، لاہور ، پاکستان

Ph:+92 42 735 4406